دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

Regd.# MC-1366

• جلد 14 • شمارہ 5 • دسمبر 2024

ماہنامہ فہمِ دین

تہجد

چلو ہم مٹی پاؤ

کام یاب کون؟

یادِ ماضی عذاب ہے یارب!

مصنوعی ذہانت کے خطرات

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org 21-111-298-111

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
TECH PARK

Free of Cost

PSDC Professional Software Development Certification

JS | TS | React | node JS

Follow us BaitussalamWelfareTrust

UAN +92 21 111 298 111

Visit Baitussalam.org

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

دسمبر 2024

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر: قاریِ عبدالرحمٰن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

فہم و فکر

عنوان	مصنف	صفحہ
یادِ ماضی عذاب ہے یارب!	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

عنوان	مصنف	صفحہ
فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ	08

مضامین

عنوان	مصنف	صفحہ
تہجد	حفصہ سلطان	10
مصنوعی ذہانت کے خطرات	عذرا خالد	12
ہم جنس پرستی اور دجالی میڈیا	بنتِ محمد	14
انتخاب کا معیار	ندا اختر	15
انناس	حکیم شمیم احمد	16
مسائل پوچھیے اور سیکھیے	مفتی محمد توحید	18
جہیز	میمونہ عظیم	19
صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی معیشت	سعد علی چھیپا	20

خواتینِ اسلام

عنوان	مصنف	صفحہ
ذرا سی توجہ	مہوش اسد شیخ	21
مہمان داری	ناجیہ شعیب	22
اک سفر سُہانا	حفصہ فیصل	25
ضیوف الرحمن	عائشہ محبوب	27
بہانے	آمنہ عبد الباسط	29
چھوٹی لڑکی بڑا کارنامہ	دانیال حسین چغتائی	30
گونجتی آوازیں	امۃ اللہ	31
بلاعنوان	حمیرا شیخ	32
ہن مٹی پاؤ	انیسہ عائش	33

باغیچہ اطفال

عنوان	مصنف	صفحہ
اور پھر یوں ہوا	ڈاکٹر الماس روحی	35
انوکھے دوست	تنزیلہ احمد	36
پرانا بستہ	خدیجہ نعیم	38
آنے لگی ہے سردی	یاسر فاروق	38
زوزو	حمیرا علیم	39

بزمِ ادب

عنوان	مصنف	صفحہ
چمکتے ستارے	حافظہ سویرا چودھری	42
مسلمانو ذرا دیکھو!	شمائلہ شکیل	43

اخبار السلام

عنوان	مصنف	صفحہ
اخبار السلام	ادارہ	50

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹرز
مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

یادِ ماضی عذاب ہے یارب!

دسمبر 1971ء کے بعد آنے والا ہر دسمبر مسلمانانِ عالم کو بالعموم اور اہلِ پاکستان کو بالخصوص 1971ء میں پیش آمدہ اُس سانحے کی یاد دلا کر افسردہ کرتا ہے، جب غیروں کی سازش اور چالوں کا شکار ہونے والے اربابِ اختیار واقتدار کی آپس میں رسہ کشی اور اقتدار کی جنگ سے ملکی مفاد اور دفاع تہ و بالا ہوا اور مملکتِ خداداد کا ایک حصہ الگ ہوگیا۔ یہ وہ حصہ تھا، جس کے رہنے والوں کی بہت بڑی اکثریت اسلام اور وطنِ عزیز کی محبت سے سرشار تھی۔ ملک کے اُس حصے کو سازشوں کا گڑھ بنایا گیا، ایک طرف سادہ لوح عوام کو قومیت اور عصبیت کا نعرہ دیا گیا اور دوسری طرف اربابِ سیاست کو اقتدار اور ملک پر حکومت کے جنون میں مبتلا کر کے اُدھر تم اِدھر ہم کا نعرہ لگوایا، وطن کے دفاع پر مامور شیر دل سپاہی ہزاروں کی تعداد میں قیدی بنائے گئے، جنھوں نے نہ کردہ گناہوں کے جرم میں وطن سے دور دشمن سرزمین پر قیدِ بامشقت کاٹی، ظالم دشمن کے مظالم سہے اور زخموں سے چور چور جسم کے ساتھ وطن لوٹے، جسم کے زخم تو مندمل ہوگئے، لیکن روح کو لگا گھائل دیمک کی طرح ان کو چاٹتا رہا۔ دوسری جانب اہلِ اقتدار واختیار نے اپنی غلطی، حماقت اور بُردباری و تحمّل سے کام نہ لینے کا اعتراف کرنے کی بجائے ہمیشہ خود کو درست اور دوسروں کو غلط ثابت کرنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر شرمندہ ہونا اور خلوصِ دل سے تلافی کی کوشش کرنا ایسی عظیم دولت ہے، جس کے ذریعے شرمندہ ماضی کا کرب ایسی توانائی بنتا ہے، جس سے گری ہوئی اور پسی ہوئی قومیں پھر عروج پاتی اور دنیا سے اپنا آپ منواتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اہلِ اقتدار کا یہ رویّہ مسلمانانِ پاکستان کے لیے اُس سانحے سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ وہ چاہ کر بھی اُس پر درد، انتہائی تکلیف دہ اور پوری دنیا کے سامنے شرمندہ کرنے والے وقت کو بھول نہیں پارہے اور جب وہ کچھ کر نہیں سکتے تو آخر میں یہی سوچتے ہیں، کاش! ہمیں اُس تکلیف دہ ماضی کی یاد نہ ستائے۔

آج کا تقاضا

آج بھی ملک وملت کو ایسے ہی تکلیف دہ وقت کا سامنا ہے۔ دنیا بھر کے سازشی اپنی چالوں اور جالوں کے ذریعے پاکستان کو نہ صرف نقصان پہنچانے، زخم دینے بلکہ کرۂ ارض اور دنیا کے نقشے سے اس نام اور پرچم کو مٹانے کے درپے ہیں۔ آج بھی ہمارے سادہ لوح عوام، زبان، رنگ نسل، قوم اور قبیلے کی جنگ سے باہر نہیں نکل سکے۔ آج بھی اربابِ سیاست اِس ملک پر صرف اپنی حکومت چاہتے ہیں، اس کی ترقی سے انھیں کوئی سروکار نہیں! ہر پارٹی اپنے مخالفین کو غدّارِ وطن قرار دیتی ہے اور خود کو ملک و ملت کا خیر خواہ، اربابِ اقتدار اپنے ذاتی عیش وآرام کے لیے ملکی خزانے کو شیرِ مادر سمجھتے ہیں، عوام سے قربانی مانگتے اور اس قربانی سے پُر تعیش زندگی گزارتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ایسے دردمند، ہوش مند، متحمّل مزاج اور ملک وملت سے محبت رکھنے والے رہنما ولیڈر کی ضرورت ہے، جو پوری قوم، ہر زبان، ہر رنگ و نسل اور ہر خاندان وقبیلے والوں کو ایک لڑی میں پرونے کا ہنر اور ہمّت رکھتا ہو۔ یہ ملکِ خداداد قدرت کی ودیعت کردہ بیش بہا نعمتوں سے مالا مال ہے۔ اگر اپنی جان اور اپنے مفادات کی بجائے ملک وملت کے مفاد اور روشن مستقبل کو پیشِ نظر رکھا جائے، حاکم ہو یا رعایا، امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت اپنی صلاحیتوں کو ملک و قوم کی ترقی کے لیے وقف کردے، شیطان اور محبّانِ شیطنت کی سازشوں سے خود کو بچا کر اتفاق، اتحاد و یک جہتی اور خدا ترسی اختیار کریں تو سونا اُگلتی اِس زمین سے ایسی ترقی یافتہ مملکت بنے گی، جس کا دفاع دنیا کی کسی بھی طاقت کو دھول چٹا سکتا ہے، جس کی محبت سے سرشاری بڑی سے بڑی سازش کو ناکام بنا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔

بیت السّلام ادارہ نہیں تحریک

وفاقی شرعی عدالت کے جج جناب سید محمد انور نے بیت السّلام اولمپیاڈ 2024ء کی اختتامی اور انعامی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا: بیت السلام ایک ادارہ نہیں بلکہ تحریک ہے، انھوں نے اپنے مختصر مگر جامع خطاب میں بیت السّلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے اہلِ خیر اور حکومت کے ذمے داران کو بیت السّلام سے تعاون کا مشورہ دیا۔ جج محمد انور یقیناً ایک جہاں دیدہ شخصیت ہیں، ملک وملت کی مشکلات، چیلنجوں اور عوام کو درپیش مسائل وضروریات کے ساتھ ساتھ حکومتوں کی لاپروائی اور سرد مہری سے بخوبی واقف ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں بیت السّلام کی خدمات کا بہت قریب سے مشاہدہ کر رہے ہیں، انھیں اس کا بخوبی اندازہ ہے کہ بیت السّلام اپنے سربراہ کے فہم وفراست اور زمانہ ساز فکر و نظر کے مطابق نوجوانانِ ملک وملت کی تعلیم، تربیت، اصلاح اور قابلیت کے لیے جو خدمات سرانجام دے رہا ہے، اربوں روپے کا بجٹ رکھنے والے حکومتی ادارے ایسی کارکردگی پیش نہیں کر پا رہے۔ اگر ملک وملت کا درد رکھنے والے احبابِ اہلِ خیر واخلاص اپنی توانائیاں بیت السّلام کی خدمات کا حصہ بنائیں تو وطن کا مستقبل روشن بنا کر باری تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہوسکتے ہیں، جس نے پاکستان جیسے عظیم وطن سے نوازا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا
عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (31)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ بڑے خسارے میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے جا ملنے کو جھٹلایا ہے! یہاں تک کہ جب قیامت اچانک ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس! کہ ہم نے اس (قیامت) کے بارے میں بڑی کوتاہی کی اور وہ (اس وقت) اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ (للذا) خبردار رہو کہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ لوگ اُٹھا رہے ہیں۔ (31)

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (32)

ترجمہ: اور دنیوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لیے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے تو کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ (32)

تشریح نمبر 1: یہ بات کافروں کے اس بیان کے جواب میں کہی گئی ہے جو آیت نمبر 29 میں اُوپر گذرا ہے کہ ”جو کچھ ہے بس یہی دنیوی زندگی ہے، جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں چند روز کی دُنیوی زندگی، جسے تم سب کچھ سمجھ رہے ہو، کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پرواکیے بغیر دنیا میں زندگی گزارتے ہیں تو جس عیش و آرام کو وہ اپنا مقصد زندگی بناتے ہیں، آخرت میں جا کر ان کو پتا لگ جائے گا کہ اس کی حیثیت کھیل تماشے کی سی تھی۔ ہاں! جو لوگ دنیا کو آخرت کی کھیتی بنا کر زندگی گزارتے ہیں، ان کے لیے دنیوی زندگی بھی بڑی نعمت ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (33)

ترجمہ: (اے رسول (ﷺ)!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، کیوں کہ دراصل یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (33)

تشریح نمبر 2: یعنی آپ (ﷺ) کو صرف اپنی ذات کے جھٹلانے سے اتنا زیادہ رنج نہ ہوتا، لیکن زیادہ رنج کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ آیت کے یہ معنی الفاظ قرآن کے بھی زیادہ مطابق ہیں، اور آنحضرت ﷺ کے مزاج سے بھی زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم!

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا
عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ
نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ
جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ (34)

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے، پھر جس طرح انھیں جھٹلایا گیا اور تکلیفیں دی گئیں، اس سب پر انھوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی باتوں کو بدل سکے اور (پچھلے) رسولوں کے کچھ واقعات آپ تک پہنچ ہی چکے ہیں۔ (34)

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ
تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ
شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (35)

ترجمہ: اور اگر ان لوگوں کا منہ موڑے رہنا تمہیں بہت بھاری معلوم ہو رہا ہے تو اگر تم زمین کے اندر (جانے کے لیے) کوئی سرنگ یا آسمان میں (چڑھنے کے لیے) کوئی سیڑھی ڈھونڈ سکتے ہو تو ان کے پاس (ان کا منہ مانگا یہ) معجزہ لے آؤ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ للذا تم نادانوں میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ (35)

تشریح نمبر 3: آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، جن میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآنِ کریم تھا، کیوں کہ آپ کے اُمی ہونے کے باوجود یہ فصیح و بلیغ کلام آپ پر نازل ہوا، جس کے آگے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں نے گھٹنے ٹیک دیے اور کسی نے وہ چیلنج قبول نہ کیا جو سورۂ بقرہ (32) وغیرہ میں دیا گیا تھا۔ اس کی طرف سورۂ عنکبوت (51) میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تنہا یہی معجزہ ایک حق کے طلب گار کے لیے کافی ہونا چاہیے تھا، لیکن کفارِ مکہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ہر روز نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں جس قسم کے بیہودہ مطالبات وہ کرتے تھے، ان کی ایک فہرست قرآنِ کریم نے سورۂ بنی اسرائیل (89:17-93) میں بھی بیان فرمائی ہے۔ اس پر کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کو بھی یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لا کر جہنم سے بچ جائیں۔ اس آیت میں آنحضرت ﷺ سے مشفقانہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ درحقیقت ان کے یہ مطالبات محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہیں اور جیسا کہ پیچھے آیت نمبر 25 میں کہا گیا ہے، یہ اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں گے، تب بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لیے ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ صرف بیکار ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کے خلاف ہے، ہاں! اگر آپ خود ان کے مطالبات پورے کرنے کے لیے ان کے کہنے کے مطابق زمین کے اندر جانے کے لیے کوئی سرنگ بنا سکیں یا آسمان پر چڑھنے کے لیے کوئی سیڑھی ایجاد کر سکیں تو یہ بھی کر دیکھیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لیے یہ فکر چھوڑ دیجیے کہ ان کے منہ مانگے معجزات انھیں دکھائے جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد امتحان ہے اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کی فرمائش پر نت نئے کرشمے دکھانے کے لیے نہیں، ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لیے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جن کے دل میں حق کی طلب ہو اور جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہنے کی قسم کھا چکے ہوں، ان کے لیے نہ کوئی بڑی سے بڑی دلیل کارآمد ہو سکتی ہے، نہ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

الانعام 31-35

فہمِ قرآن

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

فہمِ حدیث

مساجد کی عظمت واہمیت اور آداب وحقوق

جو عظیم و وسیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں، ان کی تحصیل و تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترکِ جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں اور دوسری طرف آپ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی "خدا کا گھر اور امت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت و محبوبیت بیان فرما کر امت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں، لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رُخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے، اس کے ساتھ آپ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی تعلیم فرمائے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض ان کے بازار اور منڈیاں ہیں۔" (صحیح مسلم)

تشریح: انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی و روحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے اور دوسرا مادّی و بہیمی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے۔ ملکوتی و روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدّس اشغال واعمال ہیں، انھیں سے اس پہلو کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے اور انھیں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و محبت کا مستحق ہوتا ہے اور ان مبارک اشغال و اعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو "بیت اللہ" سے ایک خاص نسبت ہے، اس لیے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کی مادّی و بہیمی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جاکر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات و معصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی

عَنْ أَبِيْ سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْإِيْمَانِ فَإِنَّ اللهَ يَقُوْلُ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (رواه الترمذی و ابن ماجة و الدارمي)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

مسجد بنانے کا اجر

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے (یعنی صرف اس کی خوش نودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا۔ اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرینِ حکمت ہے۔

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
THE EXPERTS' SECRET IS NO LONGER A SECRET
WORCESTERSHIRE SAUCE
CHILLI SAUCE
SOY SAUCE
SYNTHETIC VINEGAR
PAKISTAN'S NO.1* LIQUID SEASONINGS
www.shangrila.com.pk
*Foresight Household Panel 2024

کام یاب کون؟

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

کام یابی ایک پسندیدہ لفظ ہے، ہر شخص کام یاب ہونا چاہتا ہے۔ کام یابی اس کی زندگی کی معراج ہوتی ہے۔ میں ایک کام یاب انسان بنوں، میں کام یاب زندگی گزاروں، میرے بچے کام یاب ہو جائیں! یہ آرزو، یہ تمنّا اور یہ خواہش ہر زندہ انسان کے اندر ہوتی ہے۔ کفار کے ہاں، اہلِ دنیا کے ہاں، جن کی زندگی کا مقصد یہ دنیا ہے، ان کے ہاں! کام یابی کا نقطۂ نظر مادّیت کو اکٹھا کرنا ہے۔ ان کے خیال میں جس کے پاس دنیا کے مادّی اسباب زیادہ ہیں، وہی کام یاب ہے، جب مسلمان کفار سے کہنے لگے کہ کام یابی کی راہ یہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے، یہ کام یابی کی راہ ہے تو وہ فوراً کہنے لگے: اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا انصاف سے کام لو اور دیکھو تو سہی! ہم دونوں میں بہتر حالت میں کون ہے؟ آرام میں ہم ہیں، محلّات ہمارے پاس ہیں، ساز و سامان ہمارے پاس ہے، عیش و عشرت کے اسباب ہمارے پاس ہیں اور تم دعوت دے رہے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی زندگی ہی میں کام یابی ہے!

آج چوں کہ مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت مادّی نظامِ تعلیم کے تحت ہوتی ہے تو انھیں بھی اسلام کے بارے میں شک ہونے لگتا ہے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں، ہمیشہ پسماندہ دنیا میں رہیں گے اور ہمیشہ ترقی پذیر ملکوں میں رہیں گے، وہ دیکھو! ترقی یافتہ دنیا ہے، کام یاب تو وہ ہیں جو آج ترقی یافتہ دنیا میں رہ رہے ہیں، ان کے پاس زندگی کے بہت خوب صورت نقشے ہیں۔ یہ سوچ کر مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے بچے بسا اوقات ایمان، اسلام کے بارے میں بدگمان ہو جاتے ہیں کہ بھلا یہ راستہ کیسے کام یابی کا ہے کہ مسلمان ہمیشہ پسماندہ ہی رہیں، ترقی پذیر ہی رہیں، آزمائش اور تکلیفوں میں ہی رہیں۔ اگر کفر کا راستہ غلط ہے تو آج وہ ترقی یافتہ کیوں ہیں؟ اور ان کے پاس زندگی کے راحت و آرام کے ایسے شاندار نقشے کیوں ہیں؟ عام طور پر ذہن میں یہ خیال مسلمانوں کو آنے لگتا ہے تو قرآن نے ایک پیغام دیا ہے، اس پر غور کرنا چاہیے۔

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا جب مسلمانوں نے کفار کو کام یابی کی راہ کی دعوت دی تو کفار مسلمانوں سے کہنے لگے: اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا ذرا انصاف سے کام لو اور دیکھو! کون اچھی حالت میں ہے۔ ہم یا تم! ہم زیادہ آرام میں ہیں یا تم! تم جھونپڑیوں میں رہ رہے ہو۔ تم اونٹ کا گوشت خشک کر کے مہینوں، مہینوں استعمال کرتے ہو۔ تمہارے پاس پہننے کا کپڑا بھی پورا نہیں ہے۔ ہم ترقی یافتہ ہیں اور تم پسماندہ! ہم خوشحال اور تم تنگدستی میں! ہم امن و امان میں ہیں اور تمہارے ہاں بدامنی اور انتشار! تم کیسے کہہ سکتے ہو حالات بدل جائیں گے؟ تم کام یاب ہو جاؤ گے اور ہم ناکام ہو جائیں گے۔ تم عزّت والے ہو جاؤ گے اور ہم رسوا ہو جائیں گے۔ تم آرام میں پہنچ جاؤ گے اور ہم پریشان ہو جائیں گے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آج کی حالت تو دیکھو! تم کہاں کھڑے ہو اور ہم کہاں کھڑے ہیں۔ کام یابی کے بارے میں یہ نقطۂ نظر کفار کا ہے، جب کہ مسلمانوں کے ہاں کام یابی کیا ہے؟ یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ قرآن نے کام یابی کے بارے میں کفار کا نقطۂ نظر بھی بتا دیا اور اہلِ اسلام کے ہاں کام یابی کیا ہے؟ یہ بھی بتا دیا کہ جو جہنم سے بچ گیا جنّت میں چلا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ کفار کی عقل و دانش میں ظلمت ہے، وہ ساٹھ ستر سال کی زندگی کو ہی دیکھتے ہیں کہ کس کی آرام سے گزر رہی ہے اور کس کی مشکلات میں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ آج کا مسلمان کام یابی کس کو سمجھتا ہے، دنیا کی مختصر سی زندگی کو یا آخرت کی زندگی کو جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گی، اس کا کبھی اختتام نہیں ہو گا۔ دیکھنا چاہیے کہ آج کا مسلمان کس کام یابی کو سامنے رکھ کر زندگی کے فیصلے کر رہا ہے، اپنے بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت میں کس کام یابی کو سامنے رکھ کر فیصلے کر رہا ہے۔

مسلمانوں کے ہاں تو کام یابی کا نقطۂ نظر ایمان ہوا کرتا تھا، روحانیت ہوا کرتی تھی، اُخروی لحاظ

سے کام یابی ہوا کرتی تھی، ان کے سامنے اللہ ربُّ العزّت کا یہ ارشاد تھا کہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا دنیا کی تاریخ تو دیکھو، جن کے پاس دنیا کی عیش و عشرت کے بڑے نقشے تھے، مضبوط سلطنتیں تھیں، غیر معمولی مادّی نقشے تھے۔ اللہ نے انھیں کیسے تباہ و برباد کر دیا۔ کیسے رسوا و ناکام کر دیا۔ اگر کام یاب وہ ہوتے تو یہ بربادی تو ان پر نہ آتی۔ یہ بلاءت تو ان کو نہ آتی۔ ایک بڑی غلط فہمی یا بہت کم فہمی، لاعلمی اور جہالت ہے کہ دنیا میں چوں کہ مغربی نظامِ تعلیم ہے جو مادّیت پر کھڑا ہے۔ اسی پر نئی نسل پروان چڑھ رہی ہے اور اس کا یہ ذہن بنا دیا گیا ہے کہ تم نے منڈی اور مارکیٹ میں فروخت ہونا ہے۔ جتنی زیادہ تمھاری قیمت لگے، اتنی ہی تمھاری کام یابی ہے جو تمھیں زیادہ مہنگا خریدے گا، تم اسی کے ہاتھ فروخت ہو جانا، یہی تمھاری کام یابی ہے۔ بھلے تمھارا خریدار اسلام دشمن، دین دشمن اور ملک دشمن ہی کیوں نہ ہو، اگر تم منڈی میں مہنگے فروخت ہوئے تو یہ تمھاری کام یابی ہے۔ اِس ذہنیت کے ساتھ نئی نسل کی تربیت ہو رہی ہے، جب کہ اصل میں مسلمانوں کے ہاں کام یابی کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ساری دنیا بھی اگر خریدار بن جائے، دنیا کی ساری دولت بھی اکٹھی ہو جائے اور تمھاری قیمت لگنے لگ جائے، لیکن اگر وہاں تمھارا ایمان خطرے میں ہے تو تم صاف کہہ دینا کہ تمھارے پاس وہ دولت ہی نہیں ہے کہ مجھے خرید سکو! دنیا میں وہ سکہ ابھی رائج ہی نہیں ہوا جو مسلمان کی قیمت لگا سکے اور اہلِ ایمان اس سکے کے عوض فروخت ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہاں ایمان ہی اصل قیمت رکھتا تھا، اس کی اتنی اور ایسی قدر و منزلت تھی حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ یعنی مسلمانوں کے لیے زندگی میں سب سے قیمتی اور سب سے محبوب ان کا ایمان ہے۔ ایمان سے بڑی کوئی دولت ہے ہی نہیں، جس صاحب کا ایمان بڑھیا ہے، جس کی ایمانی زندگی ہے، بس وہی کام یاب ہے۔

ذرا غور تو کرنا چاہیے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی صف میں حضرت بلال جو دنیاوی اور مادّی نقطہ نظر سے ناکام تھے اور دشمنوں کی صف میں ولید بن مغیرہ جو مادّی نقطۂ نظر سے بڑا مال دار اور جاگیر دار اِس دور کا گیا گزرا اور انتہائی بدعمل مسلمان بھی کسے کام یاب سمجھتا ہے، حضرت بلا ل رضی اللہ عنہ کو یا ولید بن مغیرہ کو؟ ایک طرف اللہ کے نبی ﷺ کے گھر میں فاقے اور د وسری طرف آپ ﷺ کا دشمن ابو جہل ہے، جو مکہ کا حکم ران ہے۔ گیا گزرا مسلمان بھی کس کو کام یاب سمجھے گا؟ یقیناً آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو! ولید بن مغیرہ اور ابو جہل جیسے ہزاروں لاکھوں افراد بلال رضی اللہ عنہ کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

یہ کتنی بدقسمتی اور بدنصیبی ہے کہ آج کے مسلمان جب اپنا موازنہ کفار سے کرتے ہیں تو انھیں کفار ہی کام یاب نظر آتے اور اپنے آپ کو ناکام سمجھتے ہیں۔ آج کے مسلمان اپنے بچوں کی کام یابی اسی میں سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس دنیاوی ساز و سامان ہو، اچھا گھر، بڑا بنگلا، بڑا عہدہ، مال و زر کی کثرت، نوکروں چاکروں کی بھیڑ۔۔۔ بھلا وہ خود ایمانی لحاظ سے کم زور ہو، نماز، روزہ اور تلاوتِ قرآن میں کیسا ہی کم زور ہو، اس طرف آج کے مسلمان کا ذہن جاتا ہی نہیں کہ کام یابی تو دین میں اور دین پر عمل کرنے میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے: ”بلال! ایسا کیا کام کرتے ہو، کون سی ایسی نیکی کرتے ہو کہ میں جب جنّت میں چل رہا تھا، تمھارے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی! اپنا عمل تو بتاؤ؟“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”یا رسول اللہ ﷺ! اور تو کچھ نہیں کرتا، ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب بھی وضو کی ضرورت پڑتی ہے، وضو کر کے دو رکعت تحیۃالوضو پڑھ لیتا ہوں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہی تو وہ نیکی ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کے بدلے یہ اونچا مقام عطا فرمایا۔“

آج مسلمانوں کو بہت غلط فہمی ہوتی ہے، جب کسی مخلص مسلمان اور ایمان والے کو کسی آزمائش میں دیکھتے ہیں، کسی تکلیف میں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر یہ سچے ہوتے تو آج یہ کام یاب ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تمھارے پاس ایمان ہے تو غالب تم ہی رہو گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ میاں! پھر یہ میدانوں میں مسلمان مارے کیوں جاتے ہیں؟ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کو شہادت بھی ایسی ملی کہ جسم کے ٹکڑے ہو گئے، پہچان بھی مشکل ہو گئی، وہ تو ایمان کے اعلیٰ درجے پر تھے، پھر ایسا کیوں ہوا؟ فرمایا: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ اگر تمھیں زخم لگے ہیں تو تمھارے دشمن کو بھی تو لگتے ہیں وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ یہ دن تو آتے رہتے ہیں۔ ظاہری طور پر کبھی ایک فریق آگے کبھی دوسرا، لیکن اللہ ربُّ العزّت یہ چاہتے ہیں وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس سے ایمان والوں کی پہچان ہوتی ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے؟ مخلص کون ہے اور مفاد پرست کون ہے؟ اس جانچ پرکھ کے لیے مسلمانوں پر مشکل وقت آتا ہے۔ مسلمانوں کو قربانیاں دینا پڑتی ہیں وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ یہ مسلمان میدانوں میں اس لیے بھی دنیا سے جاتے ہیں، تا کہ اللہ انھیں شہادت کا بلند مرتبہ عطا فرمائے۔ شہادت کی تمنّا اللہ کے نبی ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے، شہادت کی آرزو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ دنیا سے ایسا جانا کہ اللہ کے راستے میں میری جان چلی جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی آرزو رہی ہے، چاہت رہی ہے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ اللہ تیرے راستے میں شہادت ملے پھر زندگی ملے، پھر شہادت ملے پھر زندگی ملے، پھر شہادت ملے۔!

سبق یہی ملا کہ کام یاب وہی لوگ ہیں، جو ایمان کی حالت میں اللہ کے راستے میں قربان ہوتے ہیں۔ وہ کام یاب نہیں جو دنیاوی لحاظ سے اونچے عہدے پر ہو، جس کے پاس ساز و سامان زیادہ ہو، جس کا بنک بیلنس بہت زیادہ ہو۔ کام یابی کی اعلیٰ منازل پر وہ ہوتے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ اپنی سوچ کو درست رکھنا چاہیے۔ جب سوچ درست ہو گی تو عمل بھی درست ہو گا اور اگر سوچ ہی صحیح نہ ہوئی تو عمل کیا خاک ہو گا؟ کام یابی کا نقطۂ نظر ہمارے ذہنوں میں صحیح ہونا چاہیے۔ ہماری سوچ اور ہماری فکر درست ہونی چاہیے۔ اللہ ربُّ العزّت ہمیں ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

تہجد

حفصہ سلطان

رات کا آخری پہر:

جب دنیا نیند کی آغوش میں ہوتی ہے، اللہ کے خاص بندے بیدار ہو کر اس کے حضور سر بسجود ہوتے ہیں۔اس وقت کی خاموشی اور تنہائی میں، جب دلوں کی دھڑکنیں مدھم اور رات کی تاریکی گہری ہو جاتی ہے، تہجد کی نماز روح کی پاکیزگی اور دل کے سکون کا سبب بنتی ہے۔یہ وہ وقت ہے، جب ربِّ کائنات اپنے بندوں کو اپنی رحمتوں سے نوازنے کے لیے پکار رہا ہوتا ہے اور ہر وہ دل جو اس کے سامنے جھک جاتا ہے، خاص انعامات سے سرفراز ہوتا ہے۔

تہجد نماز ایک عظیم اور خاص عبادت ہے، جو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنتی ہے۔یہ رات کے آخری حصے میں پڑھی جانے والی نفل نماز ہے اور اسے قرآن و حدیث میں خاص فضیلت دی گئی ہے۔تہجد نماز نہ صرف روحانی پاکیزگی کا سبب بنتی ہے، بلکہ یہ انسان کی عملی زندگی پر بھی گہرے اثرات مرتّب کرتی ہے۔

تہجد کی نماز اسلامی عبادات میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اور اسے نیکیوں کی معراج کہا جاسکتا ہے۔یہ رات کے آخری حصے میں ادا کی جانے والی نفل نماز ہے، جس کی اہمیت اور فضیلت قرآن اور احادیث میں بار بار بیان کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے تہجد کی نماز کو اپنے خاص بندوں کی پہچان اور ان کے لیے ایک اہم ذریعۂ نجات قرار دیا۔

قرآن میں تہجد کی اہمیت:

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات میں تہجد کو شامل کیا ہے۔

”کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟“ (الزمر: 9)

سورۃ الاسراء کی آیت ۷۹ میں فرمایا گیا: ”اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز پڑھا کرو، یہ تمہارے لیے ایک اضافی نفل عبادت ہے، اُمید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود تک پہنچا دے گا۔

حدیث میں تہجد کی اہمیت:

نبی کریم ﷺ نے تہجد کی نماز کو بڑی فضیلت والی عبادت قرار دیا ہے اور اسے اپنے اور اپنے امتیوں کے لیے ہمیشہ لازم کیا۔ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

تم پر رات کا قیام (تہجد) لازم ہے، کیوں کہ یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی سنت ہے۔یہ تمھیں تمہارے رب کے قریب کرتا ہے، گناہوں کا کفارہ بناتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تہجد کے وقت کی فضیلت:

تہجد کا وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے اور اس وقت کی فضیلت بے حدّ و حساب ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق یہ وقت خاص طور پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا وقت ہے، جب بندہ اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے۔اس وقت میں کی جانے والی عبادت، دعائیں اور استغفار اللہ کی بارگاہ میں بہت زیادہ قبول ہوتی ہیں۔

اللہ کی طرف سے نزولِ رحمت:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور بندوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

”کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے اور میں اسے بخش دوں؟“ (صحیح بخاری)

یہ وقت اللہ کی طرف سے خصوصی رحمتوں کے نزول کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت اللہ کی بارگاہ میں مانگی جانے والی ہر دعا قبولیت کے درپر ہوتی ہے۔

قبولیتِ دعا کا وقت:

رات کا آخری تہائی حصہ وہ وقت ہے، جب دل کی گہرائیوں سے کی گئی دعائیں اور اللہ سے کی جانے والی مناجات قبول ہوتی ہیں۔اس وقت میں مانگنے والا کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے۔

نیک لوگوں کا طریقہ:

تہجد کی نماز کو ہمیشہ سے نیک اور پرہیزگار لوگوں کا عمل سمجھا گیا ہے۔قرآنِ مجید میں نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

”وہ راتوں کو اپنے بستروں سے الگ ہو کر (نماز کے لیے) اٹھتے ہیں، اپنے رب کو خوف اور اُمید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“ (السّجدۃ:16)

روحانی تقویت کا وقت:

رات کی خاموشی اور تنہائی میں عبادت انسان کے دل کو سکون اور روحانی طاقت عطا کرتی ہے۔اس وقت کی عبادت انسان کو اللہ کے قریب کرتی ہے اور اس کے دل میں ایمان کی روشنی مزید بڑھتی ہے۔تہجد کا یہ وقت وہ لمحہ ہے، جب بندہ دنیاوی الجھنوں سے دور ہو کر اپنے رب کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف کرنے اور اس کی دعاؤں کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

تہجد کے فوائد:

تہجد کے بے شمار فوائد ہیں، جو انسان کی روحانی،

جسمانی اور نفسیاتی زندگی پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ یہ نہ صرف ایک عبادت ہے بلکہ دل کے سکون، گناہوں کی معافی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

1: اللہ سے قربت کا ذریعہ:

تہجد انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتا ہے۔ رات کی تنہائی میں جب انسان اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ ایک خاص تعلق قائم کرتا ہے۔ یہ تعلق اس کی زندگی میں سکون اور برکت لاتا ہے۔

2: دعا کی قبولیت:

تہجد کے وقت دعا کی قبولیت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور پکارتا ہے:

''کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟'' اس وقت کی جانے والی دعائیں اکثر قبول ہو جاتی ہیں اور بندے کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

3: گناہوں کی معافی:

تہجد کا وقت استغفار کرنے اور اللہ سے گناہوں کی معافی مانگنے کا بہترین وقت ہے۔ رات کی تنہائی میں اللہ سے گڑگڑا کر معافی مانگنے سے اللہ بندے کے گناہوں کو معاف کرتا ہے اور اس کے درجات بلند کرتا ہے۔

4: نفس کی تربیت:

تہجد کی پابندی انسان کے نفس کو تربیت دیتی ہے۔ یہ رات کے آرام کو چھوڑ کر عبادت کی طرف مائل کرتا ہے، جو نفس پر قابو پانے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ تہجد پڑھنے سے نفس کی خواہشات کمزور ہوتی ہیں اور انسان میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔

5: روحانی سکون:

تہجد پڑھنے سے دل کو سکون اور روح کو اطمینان ملتا ہے۔ یہ نماز اللہ کے ساتھ ایک خاص ربط پیدا کرتی ہے، جس سے دل کی بے چینی ختم ہو جاتی ہے اور روحانی سکون نصیب ہوتا ہے۔

6: ایمان کی تقویت:

تہجد کی پابندی سے ایمان میں پختگی آتی ہے۔ رات کے وقت کی جانے والی عبادت انسان کو اللہ کی یاد دلاتی ہے اور اس کے دل میں اللہ کا خوف اور محبت پیدا کرتی ہے۔ اس سے ایمان مزید مضبوط ہوتا ہے۔

7: دنیاوی معاملات میں برکت:

تہجد کی پابندی کرنے والے لوگوں کے دنیاوی معاملات میں بھی اللہ کی طرف سے برکت دی جاتی ہے۔ ان کے کاموں میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور ان کی زندگی میں خوش حالی آتی ہے۔

8: صحت پر مثبت اثرات:

تہجد کی نماز جسمانی صحت کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ رات کے وقت بیدار ہونا اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونا جسم کو چاق و چوبند رکھتا ہے اور ذہنی تھکاوٹ کو کم کرتا ہے۔ یہ جسمانی اور دماغی قوت کو بحال کرنے کا ذریعہ ہے۔

9: برائیوں سے دوری:

تہجد کی نماز انسان کو گناہوں اور برائیوں سے بچاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''رات کا قیام (تہجد) برائیوں سے روکنے والا اور گناہوں کو مٹانے والا عمل ہے۔'' (جامع ترمذی) تہجد پڑھنے والے لوگ عمومی طور پر برائیوں سے دور رہتے ہیں اور نیکی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

10: آخرت میں بلند مقام:

تہجد کی نماز آخرت میں بلند مقام اور جنّت میں اعلیٰ درجات کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تہجد پڑھنے والوں کو مقامِ محمود (عالی مقام) عطا کرنے کی خوش خبری دی ہے۔

تہجد کی نماز کا طریقہ:

تہجد کی نماز کم از کم دو رکعتوں سے شروع ہوتی ہے، لیکن زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ عام طور پر آٹھ رکعت تہجد پڑھا کرتے تھے، پھر اس کے بعد وتر کی نماز ادا کرتے تھے۔ اس میں قرآنی آیات اور سورتوں کی تلاوت کرتے ہوئے خشوع و خضوع کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

تہجد کی عادت کیسے بنائی جائے؟

تہجد کا اہتمام ایک مستقل عادت بنانا مشکل ہو سکتا ہے، لیکن درج ذیل نکات کو اپنا کر اسے زندگی کا حصہ بنایا جا سکتا ہے:

1: ارادہ اور نیت: دل میں تہیہ کر لیں کہ آپ تہجد کو اپنی روزمرّہ کی عبادت کا حصہ بنائیں گے۔

2: جلد سونے کی عادت: تہجد کے لیے ضروری ہے کہ انسان جلد سو جائے، تاکہ رات کے آخری حصے میں جاگ سکے۔

3: تھوڑا وقت مختص کریں: ابتدا میں کم وقت کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھنا شروع کریں، پھر آہستہ آہستہ اس میں اضافہ کریں۔

4: استغفار اور دعا: تہجد کے وقت اللہ سے گناہوں کی معافی اور دعا کی قبولیت کے لیے استغفار کریں۔

تہجد کی نماز ایک ایسی عبادت ہے، جو نہ صرف روحانی بلندی کا ذریعہ ہے، بلکہ یہ انسان کے دل و دماغ کو سکون عطا کرتی ہے۔ یہ رات کی خاموشی میں اللہ کے ساتھ ایک خصوصی تعلق قائم کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے، جہاں بندہ اپنے رب کے سامنے عاجزی اور انکساری سے کھڑا ہوتا ہے۔

تہجد کی پابندی سے انسان کی زندگی میں بہتری آتی ہے، وہ گناہوں سے دور رہتا ہے، اپنے مقصد کی جانب متوجہ رہتا ہے اور اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنتا ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو نیک بندوں کی پہچان ہے اور جس کا اہتمام کرنے والے افراد کو دنیا و آخرت کی کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں۔

تہجد کی نماز کو اپنے روزمرّہ کے معمولات میں شامل کرنا ہمارے ایمان کی مضبوطی اور روحانی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس عبادت کی روشنی میں ہم نہ صرف اپنی روحانی کیفیت کو بہتر بنا سکتے ہیں، بلکہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تہجد کی نماز کی برکتوں سے نوازے اور ہمیں اس کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آج ہر طرف مصنوعی ذہانت کے چرچے ہیں اور مستقبل اسی اے آئی کا ہے لیکن۔۔۔ ذرا دیکھیے تو عذرا خالد کس خطرے سے آگاہ کر رہی ہیں

مصنوعی ذہانت کے خطرات

عذرا خالد

مصنوعی ذہانت انسانوں کی طرح (انسان نہیں) سوچنے، سیکھنے اور فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھنے والے کمپیوٹر سسٹم کو کہتے ہیں۔ مصنوعی ذہانت مختلف طریقوں سے انسانی زندگی کو آسان بنانے میں کارآمد ہے۔ کاروبارِ زندگی میں جیسے اور علوم کو استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح مصنوعی ذہانت کو بھی معاشرے اور انسانوں کی ترقی کے لیے کارآمد کیا جا سکتا ہے۔

مصنوعی ذہانت کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ مصنوعی ذہانت کے آثار ارسطو کے فلسفے، خوارزم کے الجبرا، چومسکی کے لسانیات، معیشت اور علمِ نفسیات اور قدیم علوم میں بھی ملتے ہیں۔

ٹیکنالوجی کے جدید دور میں مصنوعی ذہانت کی بنیاد اس وقت پڑی، جب منسکی (Minsky) اور ایڈمن (Edmon) نے پہلا نیورل کمپیوٹر بنایا۔ 1956 میں اس فیلڈ کو باقاعدہ آرٹیفشل انٹیلی جنس کا نام دیا گیا۔ 1956 سے اب تک مصنوعی ذہانت پر عروج و زوال کے کئی ادوار گزر چکے ہیں۔

دینِ اسلام انسان کو علم حاصل کرنے اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن میں متعدّد آیات ہیں، جو علم کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی بھی اسی علم کا ایک حصہ ہے۔ للٰہذا اصل سوال یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت کا استعمال کن مقاصد کے لیے کیا جا رہا ہے۔

قرآنِ مجید انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا۔ اس کتاب میں غور و خوض کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا سامان موجود ہے، جو معیار ربُّ العزّت نے قرآن میں بیان کیا ہے، وہ جستجو، فہم، ادراک اور مشاہدے پر مبنی ہے۔ قرآن احکام وہدایات اور علم کا وسیع سمندر ہے، انسان اس قرآن کے لا محدود علم سے اس وسیع و عریض کائنات کی تسخیر کر سکتا ہے۔ انسان ظاہری جسم، عقل اور روح کا مجموعہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور اور تدبّر و تفکر کے باعث دیگر مخلوقات سے ممتاز بنایا ہے کہ یہ عقل اسے بارگاہِ الٰہی تک پہنچانے کا ذریعہ بھی ہے۔ عقل کی بدولت علم کا حصول ممکن ہو سکتا ہے، کیوں کہ عقل ہی افہام و تفہیم کا ذریعہ ہے اور ظاہر میں موجود باطن کا ادراک ممکن بناتی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا۔

نسلِ انسانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا: اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو کل اسما (نام) کا علم عطا کیا۔ مصنوعی ذہانت کے ممکنہ خطرات ہیں کیا؟

انسان کو مصنوعی ذہانت سے درپیش متعدّد چیلنج اور خطرات میں سرِ فہرست نوکریوں سے لے کر سیکیورٹی، شفافیت اور پرائیویسی جیسے مسائل ہیں۔ جس تیزی سے اے آئی یا مصنوعی ذہانت کا استعمال بڑھ رہا ہے، اس صورت میں کیا یہ یقینی بنانا ممکن ہے کہ اس کے بنی نوع انسان پر منفی اثرات نہیں ہوں گے اور ان منفی اثرات سے بچاؤ کس طرح ممکن ہو سکے گا اور مصنوعی ذہانت پر کام کرنے والے ٹولز انسانوں کی طرح اخلاقی فیصلے بھی کرنے کے قابل ہوں گے۔

ان سب باتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، ٹیسلا کے سربراہ ایلون مسک سمیت ایک ہزار سے زیادہ ٹیکنالوجی ماہرین نے ایک خط لکھ کر دنیا بھر کے ممالک سے مطالبہ کیا کہ مصنوعی ذہانت سے متعلق تمام ریسرچ روک دی جائے، کیوں کہ اس سے انسانیت کو شدید خطرہ ہے۔ اس خط پر دستخط کرنے والوں میں ایپل کے شریک بانی سٹیو وزنیاک اور 'ڈیپ مائنڈ' کے چند ریسرچرز بھی شامل تھے۔

مصنوعی ذہانت کے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے اٹلی نے چیٹ جی پی ٹی کے استعمال پر پابندی عائد کر دی۔ یورپی یونین اور چین اس کے استعمال اور اس کی مزید ریسرچ پر کنٹرول کرنے کے لیے قانون بنا رہے ہیں۔ دیگر ممالک کی حکومتیں انسانیت کو خطرے کے پیشِ نظر مصنوعی ذہانت کی تمام تبدیلیوں پر مکمل کنٹرول رکھنے پر متفق ہیں۔

انسان کی اپنی ایجادات نسلِ انسانی کے لیے خطرہ بھی بن جاتی ہیں۔ انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے مہلک ہتھیار جو عالمی جنگوں میں استعمال کیے گئے اور آج بھی بے حساب معصوم جانوں کے ضیاع کا ذریعہ بن رہے ہیں، یہ حفاظت کی غرض سے بنائے گئے تھے، لیکن یہ مہلک ہتھیار دہشت کا ذریعہ بن گئے۔ یہ تمام معاملات ہمارے لیے غور و فکر کے دروازے کھولتے ہیں کہ انسان کے لیے محفوظ مستقبل کی تلاش میں مصنوعی ذہانت کے غلط استعمال پر بھی غور کیا جائے، کیوں کہ اس سے پہلے کی کوئی ٹیکنالوجی خود کار یا ذہین نہیں تھی، لیکن مصنوعی ذہانت میں یہ صلاحیت ہے کہ یہ خود نئے طریقے اور چیزیں سیکھ سکتی ہے۔

مصنوعی ذہانت کا اہم ٹول چیٹ جی پی ٹی میں حیرت انگیز صلاحیتوں کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس ٹول سے چند سیکنڈ میں اہم مضامین اور معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ مصنوعی ذہانت کے شعبے میں چیٹ جی پی ٹی نے انتہائی تیزی سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔ پوری دنیا میں مصنوعی ذہانت میں تیز ترین ترقی نسلِ انسانی کے لیے عنقریب آنے والی تباہی کے خطرے کی گھنٹیاں بھی بجا رہی ہے۔ ڈاکٹر جیفری ہنٹن، جنہیں مصنوعی ذہانت کا بانی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے یکم مئی 2023 کو گوگل سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس استعفے کی اہم وجہ مصنوعی ذہانت کے شعبے کے خطرات کو قرار دیا اور ان کی نشان دہی کی کہ ایسے نظام بنانا جو انسانی ذہانت کا مقابلہ کرے یا اس سے آگے نکل جائے، نسلِ انسانی کے لیے تباہی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر جیفری ہنٹن واحد شخصیت نہیں ہیں جو مصنوعی ذہانت کی تیز رفتار ترقی سے پریشان ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے سائنس دانوں میں بھی اس بارے میں تشویش پائی جاتی ہے۔ ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ مصنوعی ذہانت سے انسانیت کو "شدید خطرات" لاحق ہیں۔ اس شعبے سے وابستہ شخصیات کا کہنا ہے کہ مکمل مصنوعی ذہانت کی ترقی نسلِ انسانی کا خاتمہ ایک چٹکی میں کر سکتی ہے۔ ماہرین کو خدشہ ہے کہ انسانیت اپنی ہی تباہی کی طرف جا رہی ہے۔

مصنوعی ذہانت کے مستقبل کے بارے میں یہ پیش گوئی کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ مستقبل میں اس ٹول سے کس طرح کے نتائج حاصل ہوں گے، ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں اس کے غیر ارادی اور تباہ کن نتائج سامنے آ جائیں۔ مصنوعی ذہانت کا ایک اور خطرہ احتساب کی کمی ہے۔ مصنوعی ذہانت کا نظام اپنے طور پر کام کرتا ہے اور انسانی عمل دخل کے بغیر فیصلے کر سکنے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ اس وجہ سے اس ٹول سے ایسی صورتِ حال پیدا ہو سکتی ہے، جہاں کسی کو بھی اس نظام کے نتائج کا ذمہ دار کہنا مشکل ہو جائے گا۔

Introducing
your new
Favorite!
Perfect
FRESHENER
ROOM FRESHENER
عود الليل
OUD AL LAYL
LA PERFUME
DRY 300 ml
Perfect
FRESHENER
ProudlyMadeInPakistan

ہم جنس پرستی اور دجّالی میڈیا

بنتِ محمد

اللہ ربُّ العزّت نے دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا۔ آدم علیہ السّلام سے لے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تک جتنے نبی آئے، سب نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔ انبیائے کرام علیہم السّلام میں سے ایک حضرت لوط علیہ السّلام بھی تھے۔

حضرت لوط علیہ السّلام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے تھے۔ قرآنِ مجید میں قومِ لوط کا ذکر تقریباً سترہ (17) مرتبہ آیا ہے۔ قومِ لوط کا مسکن شہر سدوم اور عمورہ تھا، جو بحر مردار کے ساحل پر واقع تھا۔ قریشِ مکہ اپنے شام کے سفر میں برابر اسی راستے سے آتے جاتے تھے۔ یہ علاقہ پانچ بڑے شہروں پر مشتمل تھا، جن کے نام سدوم، عمورہ، ادمہ، صبوییم اور ضُغر تھے۔ ان کو قرآنِ کریم نے مؤتفکہ اور مؤتفکات فرمایا (یعنی وہ بستیاں جو الٹ دی گئیں)

حضرت ابراہیم و حضرت لوط علیہما السّلام عراق میں شہر بابل کے باشندہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام وہاں سے ہجرت کر کے فلسطین تشریف لے گئے اور حضرت لوط علیہ السّلام ملکِ شام کے شہر اُردن میں بحیرۂ لوط کے پاس مقیم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرما کر سدوم والوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ یہاں کے لوگ فواحش اور بہت سے غلیظ گناہوں میں مبتلا تھے۔ دنیا کی کوئی ایسی برائی و خرابی نہ تھی، جو ان میں موجود نہ ہو۔ یہ دنیا کی سب سے سرکش اور بداخلاق قوم تھی، یہی نہیں بلکہ یہ قوم ایک فعلِ بد میں بھی مبتلا تھی۔

یہ لوگ اپنی نفسانی خواہشات عورتوں کی بجائے لڑکوں سے پوری کرتے تھے۔ اُن سے پہلے دنیا کی کسی قوم میں اس عمل کا کوئی رواج نہ تھا، یہی وہ بدبخت قوم تھی، جس نے یہ ناپاک کام شروع کیا تھا اور اس سے بھی زیادہ بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب سمجھتے ہی نہ تھے، بلکہ کھلم کھلا فخر کے ساتھ اس کو بیان بھی کرتے تھے۔ ایسے میں حضرت لوط علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دین کی دعوت کے لیے بھیجا اور انھوں نے اس قوم کو ان کی بے حیائی اور برائیوں پر ملامت کی اور شرافت وطہارت کی زندگی کی طرف رغبت دلائی۔ ہر ممکن کوشش کی کہ یہ لوگ توبہ تائب ہو جائیں اور اس فعلِ بد سے پکی سچی توبہ کر کے سیدھی راہ کی طرف آ جائیں۔ جب یہ لوگ نرمی سے نہ مانے تو پچھلی قوموں کی بداعمالیوں کے نتائج اور ان پر آنے والے عذاب کا ذکر کر کے عبرت دلائی، لیکن ان بدبختوں پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ الٹا طنز کرتے ہوئے یہ کہنے لگے: "یہ بڑے پاک باز لوگ ہیں، ان کو ہی اپنی بستی سے نکال دو۔"

اور بہت سمجھانے کے بعد بھی عذاب کا سوال کرتے اور کہنے لگے:

"ہم تو نہیں مانتے، اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ!"

یہاں ایک طرف قوم اور حضرت لوط علیہ السّلام کے درمیان یہ معاملہ چل رہا تھا اور دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس اللہ کے فرشتے انسانی شکل میں آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مہمان نوازی مشہور رہی ہے، جب انھوں نے ان کو دیکھا تو انھیں مہمان سمجھ کر ان کی تواضع کرنی چاہی، لیکن انھوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو یہ محسوس ہوا کہ یہ کوئی دشمن ہیں، اسی وجہ سے کھانے سے انکار کر رہے ہیں اور پریشان سے ہوگئے۔ فرشتوں نے جب یہ دیکھا تو کہا: "آپ گھبرائیں نہیں، ہم اللہ کے فرشتے ہیں، آپ کے لیے بیٹے کی بشارت لائے ہیں اور قومِ لوط کی تباہی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔"

ابراہیم علیہ السّلام نے جب یہ سنا تو فرمایا: "تم ایسی قوم کو ہلاک کرنے جا رہے ہو، جس میں لوط علیہ السّلام جیسے اللہ کے برگزیدہ نبی موجود ہیں؟"

فرشتوں نے کہا: "ہمیں معلوم ہے، لیکن اللہ کا یہی فیصلہ ہے کہ قومِ لوط اپنی بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ضرور ہلاک ہوگی اور لوط علیہ السّلام اور ان کے اہلِ خانہ اس عذاب سے محفوظ رہیں گے، سوائے لوط علیہ السّلام کی بیوی کے، کیوں کہ وہ قوم کی حمایت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوگی۔"

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بیٹے کی بشارت دے کر روانہ ہوئے اور سدوم پہنچے اور لوط علیہ السّلام کے یہاں مہمان ہوئے۔ حضرت لوط علیہ السّلام کے پاس یہ فرشتے اللہ کے حکم سے خوب صورت اور نوخیز لڑکوں کی شکل میں تھے۔ لوط علیہ السّلام ان کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے کہ "اب نہ جانے قوم ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی۔"

لوط علیہ السّلام سب دروازے بند کر کے اسی پریشانی اور کشمکش میں تھے کہ قوم کو نوجوان مہمانوں کی خبر ہوگئی اور وہ لوط علیہ السّلام کے گھر کی طرف دوڑے آئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کر دو۔

لوط علیہ السّلام نے انھیں بہت سمجھایا،

لیکن قوم کے لوگ نہ مانے تو حضرت لوط علیہ السّلام نے سخت پریشانی میں کہا: "کاش! میں کسی مضبوط سہارے کی حمایت حاصل کر سکتا؟"

فرشتوں نے ان کو پریشان دیکھ کر کہا کہ "آپ گھبرائیں نہیں، ہم انسان نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ان کے عذاب کے لیے نازل ہوئے ہیں۔ آپ رات کے وقت اپنے خاندان سمیت یہاں سے نکل جائیں۔"

فرشتوں کی طرف سے اس پیغام کے بعد حضرت لوط علیہ السّلام اپنے خاندان کے ساتھ بستی سے نکل کر سدوم سے رخصت ہوگئے اور ان کی بیوی نے جس کے لیے عذاب مقدّر تھا، ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور وہیں رہ گئی۔

جب حضرت لوط علیہ السّلام بستی سے نکل گئے تو رات کے آخری حصے میں عذاب آنا شروع ہوا۔ سب سے پہلے ایک سخت ہیبت ناک چیخ نے ان کو ہلا کر رکھ دیا، پھر ان کی پوری بستی کو اوپر اٹھا کر زمین کی طرف اُلٹ دیا گیا اور پھر اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام و نشان مٹا دیا اور پچھلی قوموں کی طرح یہ بھی اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئے۔

تبوک کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کا گزر مدائنِ صالح کی ان بستیوں پر ہوا، جن پر پتھر برسائے گئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ "جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، جب ان کی رہائش گاہوں میں داخل ہو تو پچھلے لوگوں کے بُرے انجام سے عبرت حاصل کرو اور اللہ کے عذاب کے خوف سے روتے ہوئے داخل ہو، اگر رونا نہ آئے تو ایسی جگہوں میں داخل ہی نہ ہوا کرو، ایسا نہ ہو کہ جو عذاب ان لوگوں پر نازل ہوا ویسا ہی عذاب تم پر بھی نازل نہ ہو جائے۔"

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایسے علاقوں سے تیزی سے گزرنے کا حکم فرمایا۔ خود نبی کریم ﷺ نے چادر سے سر مبارک اور چہرہ ڈھانپ لیا اور تیزی سے سواری گزار دی۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس علاقے کے کنوؤں سے پانی بھرنے تک سے منع فرمایا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "ہم نے تو ان کنوؤں سے پانی بھر لیا ہے اور اس پانی سے آٹا بھی گوندھ لیا ہے۔" تو رسول اللہ ﷺ نے اس پانی اور آٹے کو گرانے کا حکم دیا۔ ان احادیث سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یہ درس دیا کہ جن بستیوں پر اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے، وہ بستیاں عبرت حاصل کرنے کی جگہیں ہیں، سیر و سیاحت کی جگہیں نہیں! لیکن آج کل لوگوں نے اس سب کو مذاق بنا لیا ہے، بلکہ ہم جنس پرستی یعنی قومِ لوط کے اس فعلِ بد کو فروغ دینے کے لیے باقاعدہ پوری ایک تنظیم "ایل جی بی ٹی کیو" تشکیل دی گئی اور دجّالی میڈیا وقتاً فوقتاً ہماری نسلوں میں اس زہر کو انڈیلنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے۔ کبھی جوائے لینڈ جیسی غلیظ فلموں کے ذریعے، کبھی برزخ جیسی ویب سیریز کے ذریعے اور کبھی بے حیا اور فحش لٹریچر کے ذریعے۔

ہمارے آقا ﷺ تو اُن بستیوں سے تیزی کے ساتھ روتے ہوئے گزرنے کا فرما رہے ہیں اور یہاں امت اس کھائی میں خود کودنے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دے رہی ہے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دیں اور اپنے حفظ و امان میں رکھیں "آمین!

ایک لڑکی نے کہا: "میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے شادی کروں گی اس لیے کہ وہ گھر آتے ہیں ہنستے ہوئے اور گھر سے جاتے ہیں مسکراتے ہوئے اور مال دار بھی ہیں۔

عقبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُمّ ابان رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا، انھوں نے انکار کر دیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا، ان کے لیے بھی انکار کر دیا، پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا ان کے لیے بھی انکار کر دیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا تو اسے قبول کر لیا۔ جب نکاح ہو رہا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پردے سے اُمّ ابان رضی اللہ عنہا سے کہا کہ "امیر المومنین اور حضور ﷺ کے رشتے داروں سے نکاح کرنے سے تو انکار کر دیا اور طلحہ رضی اللہ عنہ سے کر لیا۔" جواب دیا: "جیسے خدا کی مرضی!"

بعد میں انھوں نے عورتوں میں بتایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زندگی گزارنا بہت سخت ہو گی۔ علی رضی اللہ عنہ کے پاس صرف محبت ہی ہے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف لاٹھی ہے۔ ہاں! البتہ طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ زندگی گزارنے کا مزہ ہے، ہنستے ہوئے گھر آئیں گے، ہنستے ہوئے گھر سے نکلیں گے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے حسنِ معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے۔ وہ اپنے کنبے میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، اسے پسند کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کئی حضرات نے شادی کی درخواست کی، لیکن انھوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا: "میں ان کے اوصافِ حمیدہ سے واقف ہوں، وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے اور اگر کوئی کام کر دو تو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔"

انتخاب کا معیار

ندا اختر

اس تحریر میں شوہر حضرات کے لیے زندگی خوش گوار بنانے کا قیمتی نسخہ ہے، جانیے اور آزمائیے تو!

انناس

حکیم شمیم احمد

مزاج وپہچان

انناس گرم آب وہوا کے خطے میں پیدا ہونے والا ایک منفرد خوش بو رکھنے والا ذائقے دار پھل ہے۔اس کو انگریزی میں PineApple کہتے ہیں۔اس کا مزاج سرد وتر ہے۔اس کا آبائی وطن اصل میں جنوبی امریکا ہے، انناس جب کچا ہو تو اس کا رنگ اوپر سے سبز ہوتا ہے اور جب پک جاتا ہے تو باہر سے سرخ سبزی مائل اور اندر سے زرد نظر آتا ہے۔اس کا ذائقہ شیریں ترشی مائل ہوتا ہے۔اس کی اپنی ایک مخصوص خوش بو ہے۔اس کے عرق سے شربت، اچار، جوس، سلاد، مربّہ اور جیم بنایا جاتا ہے۔اسی طرح یہ آئسکریم کیک اور کسٹرڈ کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

غذائی خصوصیات

انناس وٹامن اور منرل کا خزانہ ہے، خصوصاً وٹامن سی سے بھرپور ہے، جس کی وجہ سے مسوڑھوں کی صحت کو برقرار رکھتا ہے۔یہ نزلہ زکام میں بھی مفید ہے اور قوتِ مدافعت میں اضافہ کرتا ہے،اس میں موجود میگانیز ہڈیوں کی نشوونما اور مضبوطی میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کا جوس ذہنی تناؤ کو کم کرتا ہے۔

طبی خصوصیات

یہ ایک بے حد طاقت بخش پھل ہے۔اس کا استعمال کھانا ہضم کرنے میں بڑی مدد فراہم کرتا ہے۔خاص طور پر لحمیات کی وجہ سے کھانا بڑی آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔انناس قبض کی تکلیف دور کرنے میں مؤثر اور معاون ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں ریشہ بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔اس لیے یہ نظامِ ہضم کو بھی قوی کرتا ہے اور وزن کم کرنے میں بھی معاونت کرتا ہے۔یہ جوڑوں کے درد میں مفید ہے۔اگر جسم کے اندر چھوٹی چھوٹی رسولیاں ہو جائیں تو اس کے استعمال سے تحلیل ہو جاتی ہیں۔اس طرح سانس کی نالیوں کی سوجن دور کرتا ہے۔وٹامن سی کی وافر مقدار ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال سے نزلہ زکام اور کھانسی کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔دل ودماغ اور معدے کو تقویت دیتا ہے۔صفرا کی زیادتی کو دور کرتا ہے۔یہ یرقان اور خفقان کا مؤثر اور مفید علاج ہے۔انناس پیشاب آور ہے،اس لیے اس کے استعمال سے گردوں اور مثانے کی صفائی اور جلن دور ہو جاتی ہے۔پیشاب کے راستے جسم میں موجود فاسد مادے تحلیل ہو کر خارج ہو جاتے ہیں۔علاوہ ازیں گردے کی پتھری کو باہر نکالنے میں مفید ہے۔انناس کے استعمال سے جسم میں تازہ خون بنتا ہے،جس سے صحت بہتر ہو جاتی ہے اور رنگت بھی نکھر آتی ہے۔یہ گرمیوں کا پھل ہے،اس کے کھانے سے گرمی کی شدّت میں کمی آجاتی ہے۔

عرقِ انناسِ مرکب

نسخہ: انناس 2 عدد

گوکھرو 400 گرام

مجیٹھ 300 گرام

پیاز سفید 300 گرام

رات کو 12 لیٹر پانی میں گوکھر مجیٹھ کو بھگو کر رکھ دیں، صبح کو پیاز اور انناس کو باریک تراش کر ان دواؤں کے ساتھ شامل کرلیں اور 10 بوتل حسب طریقہ عرق کشید کریں۔50 ملی لٹر عرقِ انناس میں شربتِ بزوری معتدل 25 ملی لیٹر معتدل ملا کر پییں۔یہ گردہ مثانے سے ریگ اور پتھری کو خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔پیشاب لاتا ہے اور مثانے کی گرمی دور کرتا ہے۔

انناس کا مربّہ

نسخہ: انناس 2 کلو کے ٹکڑے پانی میں ڈال کر پکائیں، تاکہ گل جائیں۔الگ برتن میں 4 کلو چینی ڈال کر قدر پانی شامل کرکے قوام بنائیں،اس میں انناس کے ٹکڑے جو گل گئے تھے شامل کرکے پھر پکائیں۔گاڑھا ہونے پر اتار لیں، مربہ تیار ہے۔

خوش رنگ، خوش ذائقہ پھل، جسے بلاشبہ بیش بہا خزانے سے تعبیر کر سکتے ہیں

کینسر کے مریض متوجہ ہوں

کم زور مریضوں کے لیے اس کا استعمال فائدہ مند ہے۔کینسر اسپتال بمبئی کے ڈاکٹر چوغا گلے کے کینسر میں مبتلا مریضوں کو انناس چیکو اور اچار استعمال کرنے سے منع کرتے تھے۔

شربت انناس

نسخہ: پانی 500 ملی لیٹر

انناس کا گودا 250 گرام

پانی میں خوب پکائیں، اگر گرینڈر جگ میں تھوڑے پانی میں حل کرکے پکائیں تو بہتر ہے۔جب اچھی طرح پک جائے تو اتار کر چھلنی سے چھان کر چینی 750 گرام شامل کرکے قوام بنالیں،جب تار بن جائے تو اتار کر ٹھنڈا کر کے بوتلوں میں محفوظ کرلیں۔اس کو پینے سے دل کو طاقت ملتی ہے اور جگر معدے کی خرابی میں مفید ہے۔اس کے استعمال سے جسم میں سکون اور طمانیت محسوس ہوتی ہے۔

مضر پہلو

انناس میں ایک مضر پہلو یہ ہے کہ اگر بلغمی مزاج والے اسے کھائیں تو ان کے لیے غیر مفید ہے، کیوں کہ اس میں بلغم میں اضافہ کرنے کی بھی تاثیر ہے، مگر اس کے ساتھ خوبی کی بات یہ ہے کہ کھانسی یا زکام وغیرہ کی شکایت اس سے لاحق نہیں ہوتی۔صرف بلغمی خلط میں قدرے اضافہ ہو جاتا ہے۔آلاتِ تنفس کے لیے بھی اس کا استعمال قدر نقصان دہ ہے۔مگر کم مقدار میں کھانے سے اس کا احتمال اور امکان کم ہو جاتا ہے۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
MEANT TO SHINE THROUGH
generations
EXPLORE OUR COLLECTION AND LET YOUR LIGHT
SHINE BRIGHTER THAN EVER.
YOUR NEXT TREASURE AWAITS. VISIT US TODAY!
NEWZAIBYJEWELLERS
S-11, YOUSUF GRAND SQUARE,
BLOCK 8, CLIFTON, KARACHI
021 35835455
021 35835488

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سزا کیوں دیتے ہیں؟

سوال: جب بھی مجھے جزا و سزا کا خیال آتا ہے، میں سوچتا ہوں کہ ہم تو اس اللہ کے بندے ہیں جو اپنے بندوں سے والدین سے بھی کہیں زیادہ محبت کرتے ہیں، چناں چہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ والدین اولاد کی معمولی پریشانی اور تکلیف پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ اولاد کتنی ہی سرکش ونافرمان ہو، والدین ان کے لیے دعا ہی کرتے ہیں۔ تکلیف اولاد کو ہو، دکھ ماں محسوس کرتی ہے۔ والدین اولاد کو دکھی کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نے یہ واقعہ پڑھا ہوگا کہ ایک شخص اپنی محبوبہ کے کہنے پر اپنی ماں کو قتل کر کے اس کا دل لے جا رہا تھا۔ راہ میں اسے ٹھوکر لگی، ماں کے دل سے آواز آئی: ”بیٹا! کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟“ یہ واقعہ اولاد کی محبت کی پوری عکاسی کرتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی، جس میں امیر غریب، خوب صورت، بدصورت، اپاہج ومعذور ہر قسم کے لوگ پیدا کیے، لوگوں کو خوشیاں اور دکھ بھی دیے، کچھ کو مسلمانوں میں پیدا کیا، کچھ کو کفار میں، مرنے کے بعد عذاب وثواب رکھا۔ جزا جتنی خوب صورت، سزا اتنی ہی خطرناک! رونگٹے کھڑے کر دینے والی، مسلسل اذیت دینے والی سزائیں، جن کی تلافی بھی اس وقت ناممکن ہوگی۔ روح نکلتے وقت، قبر وحشر، غرض ہر جگہ قدم قدم پر سزائیں۔۔۔! مجھے تو یہ دنیا بھی عذاب ہی لگتی ہے۔ آپ دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا ہر کوئی دنیا کو مسافر خانہ سمجھ سکتا ہے؟ دنیا کی رنگینی کو چھوڑ کر زندگی کون گزار سکتا ہے؟ پھر جو انسان کو بنا کر اتنی پابندی کے ساتھ دنیا میں بھیجا، اسے طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا گیا، یہ سب عذاب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جو انسان کافروں کے گھر میں پیدا ہوئے، انھیں کس جرم کی سزا ملے گی؟ ہر شخص تو مذہب کا علم نہیں رکھتا؟

اللہ تعالیٰ کا والدین سے زیادہ شفیق اور مہربان ہونے کے باوجود اپنے بندوں کے ساتھ یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ جب بھی میں عذاب کے بارے میں سوچتا ہوں، میرے ذہن میں یہ سب خیالات ضرور آتے ہیں۔ اللہ کا واسطہ! مجھے سمجھائیں! کہیں میری یہ سوچ میرے لیے تباہ کن ثابت نہ ہو۔

جواب: واضح رہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر والدین سے زیادہ رحیم وشفیق ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے۔ ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا، حیوانات اور درندے تک جو اپنی اولاد پر رحم کرتے ہیں، وہ اسی رحمتِ الٰہی کے سو میں سے ایک حصے کا اثر ہے اور یہ حصہ بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس حصۂ رحمت کو بھی باقی ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر اپنے بندوں پر کامل رحمت فرمائیں گے۔

اس کے بعد آپ کے دو سوال ہیں: ایک یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر تکلیفیں اور سختیاں کیوں آتی ہیں؟ اور دوم یہ کہ آخرت میں گناہ گاروں کو عذاب کیوں ہوگا؟

جہاں تک دنیا کی سختیوں اور تکلیفوں کا تعلق ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سراپا رحمت ہے۔ حضراتِ عارفین اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ ہم اگر ان پریشانیوں اور تکلیفوں سے نالاں ہیں تو محض اس لیے کہ ہم اصل حقیقت سے آگاہ نہیں۔ بچہ اگر پڑھنے لکھنے میں کوتاہی کرتا ہے تو والدین اس

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

کی تادیب کرتے ہیں۔ وہ نادان سمجھتا ہے کہ ماں باپ بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ اگر کسی بیماری میں مبتلا ہو تو والدین اس سے پرہیز کراتے ہیں، اگر خدانخواستہ اس کے پھوڑا نکل آئے تو والدین اس کا آپریشن کراتے ہیں، وہ چیختا ہے اور اس کو ظلم سمجھتا ہے۔ بعض اوقات اپنی نادانی سے والدین کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کی جو عنایتیں بندے پر اس رنگ میں ہوتی ہیں، بہت سے کم عقل ان کو نہیں سمجھتے، بلکہ حرفِ شکایت زبان پر لاتے ہیں، لیکن جن لوگوں کی نظر بصیرت صحیح ہے، وہ ان کو الطافِ بے پایاں (بڑی رحمت) سمجھتے ہیں، چناں چہ حدیث میں ہے کہ ”جب اہلِ مصائب کو ان کی تکالیف ومصائب کا اجر قیامت کے دن دیا جائے گا تو لوگ تمنا کریں گے کہ کاش! یہ اجر ہمیں عطا کیا جاتا، خواہ دنیا میں ہمارے جسم قینچیوں سے کاٹے جاتے۔“ لہٰذا بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کی رحیمی وکریمی پر نظر رکھنی چاہیے، دنیا کے آلام ومصائب سے گھبرانا نہیں چاہیے، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ داروئے تلخ (کڑوی دوا) ہماری صحت وشفا کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔

اگر بالفرض ان آلام ومصائب کا کوئی اور فائدہ نہ بھی ہوتا، نہ ان سے ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوتا، نہ یہ ہماری ترقی درجات کا موجب ہوتے اور نہ ان پر اجر وثواب عطا کیا جاتا، تب بھی ان کا یہی فائدہ کیا کم تھا کہ ان سے ہماری اصل حقیقت کھلتی ہے کہ ہم بندے ہیں، خدا نہیں! اگر ان تکالیف ومصائب کا سلسلہ نہ ہوتا تو یہ دنیا بندوں سے زیادہ خدا کہلانے والے فرعونوں سے زیادہ بھری ہوئی ہوتی۔ یہی مصائب وآلام ہیں جو ہمیں جادۂ عبدیت (بندگی کے حدود) پر قائم رکھتے ہیں اور ہماری غفلت ومستی کے لیے تازیانہ عبرت بن جاتے ہیں اور پھر حق تعالیٰ تو محبوب حقیقی ہیں اور ہم ان سے محبت کے دعوے دار۔۔۔! کیا محبوب حقیقی کو اس ذرا سے امتحان کی بھی اجازت نہیں، جس سے محبِّ صادق اور غلط مدّعی کے درمیان امتیاز ہو سکے۔۔۔؟

اور پھر اس پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا، اب جو ناگوار حالات ہمیں پیش آتے ہیں ضرور ان میں بھی کوئی حکمت ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں، بلکہ صرف اور صرف بندوں کا نفع ہے، اگرچہ اپنے ناقص علم وفہم سے ہم اس نفع کو محسوس نہ کر سکیں۔ الغرض ان مصائب وآلام میں اللہ تعالیٰ کی ہزاروں حکمتیں اور رحمتیں پوشیدہ ہیں اور جس کے ساتھ جو معاملہ کیا جا رہا ہے، وہ عین رحمت وحکمت ہے۔

رہا آخرت میں مجرموں کو سزا دینا! تو اوّل تو ان کا مجرم ہونا ہی سزا کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی رحمت کے دروازے کھلے رکھے تھے، اس کے لیے انبیائے کرام علیہم السّلام کو بھیجا تھا، اپنی کتابیں نازل کی تھیں اور انسان کو برے بھلے کی تمیز کے لیے عقل وشعور اور ارادہ واختیار کی نعمتیں دی تھیں تو جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی بغاوت، انبیائے کرام علیہم السّلام کی مخالفت، کتبِ الٰہیہ کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے مقابلے میں خرچ کیا، انھوں نے رحمت کے دروازے خود اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر بند کر لیے۔۔۔ تو ایسے لوگوں پر ترس کھانے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

علاوہ ازیں اگر ان مجرموں کو سزا نہ دی جائے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں مومن وکافر، نیک وبد، فرماں بردار ونافرمان، مطیع اور عاصی ایک ہی پلڑے میں تُلتے ہیں۔ یہ خدائی نہ ہوئی، اندھیر نگری ہوئی! الغرض آخرت میں مجرموں کو سزا اس لیے بھی قرینِ رحمت ہوئی کہ اس کے بغیر مطیع اور فرماں بردار بندوں سے انصاف نہیں ہو سکتا۔

یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ آخرت کا عذاب کفّار کو تو بطورِ سزا ہوگا، لیکن گناہ گار مسلمانوں کو بطورِ سزا نہیں، بلکہ بطور تطہیر (گناہوں سے صفائی) ہوگا، نیز بہت سے گناہ گار ایسے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے گناہوں اور سیاہ کاریوں کے دفتر کو دھو ڈالے گی اور بغیر عذاب کے انھیں معاف کر دیا جائے گا۔

الغرض جنّت پاک جگہ ہے اور پاک لوگوں کے ہی شایانِ شان ہے، جب تک گناہوں کی گندگی اور آلائش سے صفائی نہ ہو، وہاں کا داخلہ میسر نہیں آئے گا اور پاک صاف کرنے کی مختلف صورتیں ہوں گی، جس کے لیے جو صورت تقاضائے رحمت ہوگی، وہ اس کے لیے تجویز کر دی جائے گی، اس لیے بزرگوں کا کہنا ہے کہ آدمی کو ہمیشہ ظاہری وباطنی طہارت کا اہتمام رکھنا چاہیے اور گناہوں سے ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے۔

جہیز

میمونہ عظیم

اس لفظ ”جہیز“ کی آڑ میں کتنے رشتے ٹوٹ گئے۔ اس کے بے جا خلافِ شریعت مطالبات کے باعث کتنے دل پل بھر میں چھلنی چھلنی ہوگئے۔ کتنے وجود کرچی کرچی ہوگئے۔ کتنے غریب والدین کی آہیں عرش کو ہلا گئیں۔ کتنی بچیاں سفیدی تلے دب گئیں! جہیز کی لعنت نے معاشرے کو تباہی کی طرف دھکیلا، یہ ہندوؤں کی رسم و رواج کی اندھی تقلید کرکے مسلم قوم ہلاک ہوگئی۔ عزّت و غیرت کے دعوے دار کیا جہیز مانگتے ہوئے غیرت دبا گئے؟ کیا وہ شرم محسوس نہیں کرتے؟ کیا ان کا ضمیر گوارا کرتا ہے؟ کیا بیٹی سے بڑھ کر بھی کوئی صلہ واحسان ہے؟ جب لختِ جگر کسی پر اعتماد کرکے پوری زندگی کے لیے حوالے کیا جائے، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی اعزاز واحسان ہو سکتا ہے؟

”بڑا ظالم معاشرہ ہے۔ ڈیمانڈڈ جہیز کی ادائیگی سے عاجز ہونے کے باعث بچی ماں باپ کی دہلیز پر بوڑھی ہورہی ہے۔ کیا کمی تھی حرا میں؟ اتنی خوب صورت، سگھڑ، چاق وچوبند اور پڑھی لکھی بچی، کیا غریبی کے باعث ٹھکرائی جاسکتی ہے؟“

”عابدہ“ نے آج پھر اپنی بتیس سالہ بیٹی کے نصیب اور غریبی پر رونا شروع کر دیا تھا۔ مزدوری سے تھکا ہارا ”احمد“ گھر پر سکھ وسکون کا سانس لینے داخل ہوتا، مگر بیٹی کی پریشانی مزید اسے نڈھال کر دیتی۔ واقعی ہی غریبی اور اولاد رب کی بڑی آزمائش ہے۔

عابدہ بیگم تو رو کر اپنے دل کا بوجھ کافی حد تک ہلکا کر دیتی، مگر ”احمد“ تو سہارا تھا نا، وہ مرد تھا، دردِ دل کو چھپائے اپنے پیاروں کو تسلی دینے والا کیسے کم زور پڑتا؟ وہ اپنی ہر ممکنہ کوشش کرتا کہ شہر یار اور اس کے خاندان کی منہ مانگی ڈیمانڈ پر پورا اتر سکے، مگر اب تو محنت ومزدوری کے باعث ہاتھ شل پڑ گئے تھے۔ عجز اور ضعف کے باعث طاقت جواب دے چکی تھی۔

”اللہ ہے نا بیگم! تم پریشان نہ ہو، ہم ہر ممکنہ کوشش کریں گے۔“

آج بھی آزمائش کا شکار ”احمد“ اپنی حالتِ زار چھپائے ”عابدہ“ کو تسلی دینے لگ گیا۔

حرا کو نظر انداز کرنے کے بعد شاید کوئی اس غریب لڑکی سے شادی کے لیے تیار نہ ہوتا، اس لیے احمد اور عابدہ شہریار کے ساتھ بیاہنے پر مجبور تھے، مگر معاشی تنگ دستی کے باعث ان کی پریشانی روزانہ بڑھتی چلی جارہی تھی۔ جبکہ دوسری طرف بے رحم بھتیجا ”شہریار“ (جس سے بچپن میں ہی نسبت طے ہوئی تھی) اور اس کے والدین غربت سے واقفیت کے باوجود بھی امیرانہ مطالبے کرنے سے باز نہیں آرہے تھے، صرف یہی نہیں چند سالوں تک شادی کو یہ کہہ کر مؤخّر کر دیا تھا کہ اگر شہریار کے ”چاچو“ کما کر ہمارے مطلوبہ حق پر پورا نہیں اتر پاتے تو دنیا میں لڑکیوں کی بھرمار ہے۔

آہ! وہ معصوم ”حرا“ کتنے خواب دل میں ہی دفنا چکی ہوگی؟ وہ گھٹتا ہوا وجود اپنے احوال سے بھی کسی کو باخبر کرنا بھی دوبھر سمجھتا تھا۔ عمر کا طویل عرصہ اپنی عفت و پاکدامنی کی حفاظت کا یہی بھیانک نتیجہ تھا؟ اگر شادی بھی ہوگئی تو کیا رہ گیا تھا حرا کے پاس؟ یہی سوچ وہ سارا دن خلوت نشینی کے ساتھ وقت گزارتی اور اپنے مقدّر کے خیر ہونے کا پروردگارِ عالم سے سوال کرتی۔

افسوس کے ساتھ! جب اپنے رشتے دار ہی خیال نہ رکھیں، ان کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کریں تو دوسروں سے کیا امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں؟

خدارا! جہیز کی لعنت سے خود بھی بچیں، آج آپ بے جا مطالبہ کرتے ہوئے کسی کو پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں تو یاد رکھیں! ان کی آہیں آپ کا سکون برباد کرنے کے لیے کافی ہوجائیں گی۔ کل کو کوئی آپ کی بچی لیتے وقت بھی یہی مطالبہ کرے اور تم عاجز آجاؤ تو کیا ہوگا؟ خدارا سوچو! آنکھیں کھولو! کسی اور کی بچی کو اپنی تصوّر کرکے کچھ دیر آنکھیں بند کرکے اپنے دل و دماغ کی سنیں کہ کیا یہ سکونِ زندگی جیسی نعمت اور برکت کا باعث ہوگا؟

میری آپ سے گذارش ہے کہ شریعت کے موافق شادیوں کو فروغ دے کر رسوم کا قلع قمع کرنے کی کوشش کریں، دوسروں کو ترغیب دینے سے پہلے اپنے گریبانوں میں ضرور جھانکیں۔

اور عزم کریں! پہلے اپنے اندر تبدیلی لائیں گے کہ ہم اپنی تقریبات عین شریعت کے موافق کریں گے، لہٰذا اب اپنی اولاد سے آغاز کرکے ایسا ماحول بنانے میں سبقت کرنے والے بنیں۔ اللہ ہمیں شریعت کی اتباع کرنے والا بنائے۔ آمین!

رہا آپ کا یہ شبہ کہ دنیا کو کون سرائے (مسافر خانہ) سمجھ سکتا ہے اور دنیا کی رنگینی کو چھوڑ کر کون زندگی گزار سکتا ہے؟ میرے بھائی! یہ ہم جیسے لوگوں کے لیے جن کی آنکھوں پر غفلت کی سیاہ پٹیاں بندھی ہیں، واقعی بہت مشکل ہے! اپنے مشاہدے کو جھٹلانا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر اپنے مشاہدے سے بڑھ کر یقین کرنا، خاص توفیق وسعادت کے ذریعے ہی میسر آسکتا ہے، لیکن کم سے کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی بات پر جتنا یقین واعتماد رکھتے ہیں، کم سے کم اتنا ہی یقین واعتماد اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے ارشاد پر رکھیں۔ دیکھئے! اگر کوئی معتبر آدمی ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں کھانے میں زہر ملا ہوا ہے تو ہم اس شخص پر اعتماد کرتے ہوئے اس زہر آمیز کھانے کے قریب بھی پھٹکیں گے اور بھوکوں مرنے کو زہر کھانے پہ ترجیح دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہمیں دنیا کو یکسر چھوڑنے کی تعلیم نہیں فرماتے، بلکہ صرف دو چیزوں کی تعلیم فرماتے ہیں: ایک دنیا میں رہتے ہوئے کسبِ حلال کرو، جن جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، ان سے پرہیز کرو، کیوں کہ یہ زہر ہے جو تمہاری دنیا و آخرت کو برباد کردے گا اور اگر غفلت سے اس زہر کو کھا چکے ہو تو فوراً توبہ وندامت اور استغفار کے تریاق سے اس کا تدارک کرو۔

اور دوسری تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں اتنا انہماک نہ کرو کہ آخرت اور مرنے کے بعد کی زندگی کی تیاری سے غافل ہو جاؤ۔ دنیا کے لیے محنت ضرور کرو، مگر صرف اتنی جس قدر کہ دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اس قدر محنت کرو جتنا کہ آخرت میں تمہیں رہنا ہے۔ دنیا کی مثال شیرے کی ہے، جس کو شیریں اور لذیذ سمجھ کر مکھی اس پر جا بیٹھتی ہے، لیکن پھر اس سے اُٹھ نہیں سکتی، تمہیں شیرہ دنیا کی مکھی نہیں بننا چاہیے۔

اور آپ کا یہ شبہ کہ جو لوگ کافروں کے گھر میں پیدا ہوئے، انھیں کس جرم کی سزا ملے گی؟ اس کا جواب میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سیاہ وسفید کی تمیز کے لیے بینائی عطا فرمائی ہے، اسی طرح صحیح اور غلط کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے عقل و فہم اور شعور کی دولت بخشی ہے، پھر صحیح اور غلط کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم السّلام کو بھیجا ہے، کتابیں نازل فرمائی ہیں، شریعت عطا فرمائی ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تاکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے اور وہ کل عذر نہ کر سکیں کہ ہم نے کافر باپ دادا کے گھر جنم لیا تھا اور ہم آنکھیں بند کرکے انہی گم راہوں کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔

آخر میں عرض یہ ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور بندے کا کام صرف بندگی کرنا ہے اور بس! ہم صرف اس کام میں لگیں جو ہمارے ذمہ لگایا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنا اور ان معاملات میں نہ سوچیں جو ہمارے سپرد نہیں۔ ایک گھسیارہ اگر رموزِ مملکت وجہاں بانی کو نہیں سمجھتا تو یہ مشتِ خاک (انسان) رموزِ خداوندی کو کیا سمجھے گا؟ پس اس دیوار سے سر پھوڑنے کا کیا فائدہ جس میں ہم سوراخ نہیں کر سکتے اور جس کے پار جھانک کر نہیں دیکھ سکتے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتیٔ فکر اور فہمِ دین نصیب فرمائیں۔ آمین!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معیشت

سعد علی چھیپا

اسلام کے آغاز میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے ذریعۂ معاش کا معاملہ اہمیت کا حامل تھا۔ آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مختلف صنعتوں اور کاروبار سے وابستہ رہے، تاکہ وہ اپنی روز مرّہ کی ضروریات پوری کریں اور معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کریں۔ دینِ اسلام میں معاشی خود مختاری کو بڑی فضیلت دی گئی ہے اور آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو محنت اور رزقِ حلال کمانے کی ترغیب دی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے اہم ذرائع معاش

زراعت

زراعت، کھیتی باڑی اور باغ بانی عرب معاشرے کا بنیادی ذریعۂ معاش تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اس شعبے سے وابستہ افراد تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی زراعت سے روزی کمائی۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک زمین دار تھے، جو مدینہ کے نخلستانوں میں کھجوروں کی کاشت کرتے تھے۔ آپ کی محنت کا پھل آپ کو نہ صرف معاشی فائدہ دیتا تھا، بل کہ آپ اس سے صدقہ و خیرات بھی کرتے تھے۔

تجارت

تجارت کو رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا، کیوں کہ یہ ذریعۂ معاش اخلاق اور دیانت داری پر مبنی تھا۔ آپ ﷺ خود بھی تجارت فرماتے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بطورِ کام یاب تاجر جانا جاتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مدینہ منوّرہ میں ہجرت کے بعد بھی تجارت میں مصروف رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے عظیم تجارتی کام یابی حاصل کی۔ حضرت عثمان کا تجارتی کاروبار اتنا بڑا تھا کہ اس کی آمدنی سے وہ ایک عظیم سخاوت کا نمونہ بنے اور اسلامی فتوحات کے لیے اپنے مال کو خرچ کیا۔

دست کاری اور صنعت

حضرت زبیر بن عوام ایک قابل لوہار تھے۔ وہ اپنی محنت سے ہتھیار بناتے اور اسے بیچتے تھے۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت جنگی میدان میں مشہور تھی، لیکن وہ بھی تجارت اور ہتھیار سازی میں مہارت رکھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا ایک پہلو صنعت سے بھی وابستہ تھا۔

مویشی بانی

مویشی بانی ایک اور اہم ذریعہ تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شروع میں بکریاں پالی تھیں اور اس سے روزگار حاصل کیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ایک وقت میں مویشیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ مویشی بانی عرب معاشرت کا حصہ تھی، جہاں دودھ، گوشت اور اُون سے لوگوں کی معاشی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔

جواہرات اور کپڑوں کا کاروبار

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ جواہرات اور کپڑوں کی تجارت میں بھی مصروف رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کپڑوں کی تجارت میں دل چسپی نے انھیں مدینے کے معزّز تاجروں میں شامل کیا۔ کپڑے کی تجارت نہ صرف معاشی فائدہ کا ذریعہ تھی، بل کہ اس کے ذریعے اسلامی معاشرت میں بھی ثقافتی خوب صورتی کا اضافہ ہوا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معاشی کام یابیوں کے اصول

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معاشی زندگی سے کچھ بنیادی اصول سامنے آتے ہیں:

دیانت داری اور ایمان داری: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تجارت اور کاروبار میں ہمیشہ دیانت داری کو اوّلیت دی۔ وہ جھوٹ اور دھوکا دہی سے بچتے اور مکمل شفافیت سے کام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تجارت میں برکت ہوتی تھی۔

محنت اور جِدّ و جُہد: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی کسی کام کو حقیر نہیں سمجھا۔ وہ اپنے ذرائع معاش کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ رزقِ حلال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑی نعمت ہے۔

سخاوت اور خیرات: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں سخاوت اور غریبوں کی مدد ایک اہم حصہ تھا۔ ان کا ذریعۂ معاش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھا، بل کہ وہ اپنی کمائی کا بڑا حصہ دوسروں کی فلاح و بہبود میں خرچ کرتے تھے۔

اصولوں پر کاربند رہنا: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ان کا یقین تھا کہ جو بھی کمائی حلال طریقے سے کی جائے، وہی دنیا اور آخرت میں کام یابی کی ضامن ہوگی۔

نتیجہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ محنت، دیانت داری اور اصولوں پر مبنی معاشی سرگرمیاں ہی برکت کا باعث بنتی ہیں۔ آج بھی اگر ہم اپنی زندگیوں میں انھی اصولوں کو اپنائیں تو ہم بھی دنیا و آخرت میں کام یاب ہو سکتے ہیں۔ صنعت و حرفت ہو، تجارت ہو یا کوئی اور پیشہ، اسلام نے ہمیں محنت اور رزقِ حلال کو اپنانے کا مقصد بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے بہترین کمائی وہ ہے، جو آدمی اپنے ہاتھوں کی محنت سے کماتا ہے۔“

یہی پیغام ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معاشی زندگی سے بھی ملتا ہے۔ وہ نہ صرف دنیا میں کام یاب تھے، بل کہ آخرت کے لیے بھی بہترین نمونہ چھوڑ گئے۔

ذرا سی توجہ

مہوش اسد شیخ

کھانے کی تلاش میں نکلی بلبل کو اس وقت احساس ہوا کہ وہ گھر سے کافی دور نکل آئی ہے، جب اندھیرا تیزی سے پھیلنے لگا۔ وہ ایک جگہ ٹھہر کر چھوٹی چھوٹی آنکھیں مٹکا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ یہ جنگل کا وہ حصہ تھا جو کچھ عرصہ پہلے آتش زدگی کا شکار ہو گیا تھا۔ اب یہ کالے جنگل کے نام سے مشہور ہو چکا تھا، کچھ جانوروں کا کہنا تھا کہ یہ حصہ آسیب زدہ ہے۔ خوف سے بلبل کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے خیال سے اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ خوف سے خون منجمد ہوتا محسوس ہو رہا تھا، تھکن سے اب زیادہ دیر فضا میں معلق رہنا دو بھر ہوا جا رہا تھا۔ ارد گرد جلے ہوئے کالے بوسیدہ درخت تھے، جو اس وقت کسی بھوت کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں رب سے مدد مانگنے لگی۔ ابھی مناجات جاری تھیں کہ اسے قدرے فاصلے پر تھوڑی سی روشنی دکھائی دی۔ گھپ اندھیرے میں یہ ننھی سی روشنی بھی غنیمت معلوم ہوئی، لیکن ساتھ تجسّس نے بھی سر اٹھایا کہ یہاں اس ویرانے میں کون چلا آیا ہے۔

"السلام علیکم، بلبل جی!" یہ ایک ننھا سا جگنو تھا۔

"وعلیکم السلام!" بلبل کو اس کی موجودگی میں کچھ ڈھارس بندھی۔

"آپ اس ویرانے میں کیسے۔۔۔؟"

"جگنو بھیّا! خوراک کی تلاش میں اتنی دور نکل آئی پتا ہی نہیں چلا۔" اس کی آواز بھیگنے لگی۔

"چلو، کوئی بات نہیں! اب میں آ گیا ہوں، آپ میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔ میری روشنی آپ کی راہ روشن کر دے گی۔" جگنو نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

"نہیں بھیّا! گھر بہت دور ہے، مجھ میں اب مزید اڑنے کی سکت نہیں۔ اگرچہ بچے گھر پریشان ہو رہے ہوں گے، بھوکے بھی ہوں گے، لیکن میں خود کو بے بس پاتی ہوں۔ میرے بچے رب کے حوالے۔" بلبل کی آنکھوں سے آنسو پھسل گئے۔ دونوں کے مابین طویل خاموشی رہی، جگنو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کن الفاظ میں اسے تسلی دے۔

"مجھے یہاں اس ویرانے میں ان کالے درختوں کے درمیان بہت ڈر لگ رہا ہے، کیا آپ رات یہاں میرے پاس ٹھہر سکتے ہیں؟" بلبل نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"ضرور! آپ کے کام آ کر مجھے خوشی ہو گی۔" جگنو نے فوراً ہامی بھر لی۔

"میں بہتر رہائش کا انتظام کر کے آتا ہوں۔" جگنو کہہ کر منظر سے ہٹ گیا، تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

"میرے پیچھے آئیے!" بلبل نے اس کی پیروی کی۔

"یہ دیکھیے! اس درخت پر بسیرا کر لیجیے۔" بلبل نے درخت کے ارد گرد دو چکر لگائے اور وہاں رات بسر کرنے کے لیے رضامندی ظاہر کر دی۔ وہ جگنو کی ممنون تھی۔

◆◆◆

"فاختہ بی! فاختہ بی!" باہر سے طوطے میاں کی آواز آئی تو فاختہ بی اپنے بچوں کو ایک بار پھر سونے کی ہدایت دیتی باہر کی طرف لپکی۔

"کیا بات ہے طوطے میاں! سب خیریت تو ہے۔ رات کافی ہو چکی آپ ابھی تک سوئے نہیں۔" فاختہ نے تشویش کا اظہار کیا۔

"ارے میں تو بستر میں گھس چکا تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی رو رہا ہے، باہر نکلا تو معلوم ہوا بلبل کے بچے رو رہے تھے۔"

"ارے وہ کیوں رونے لگے، وہ تو بہت پیارے بچے ہیں۔ ضرور بلبل نے انھیں مارا ہو گا۔" فاختہ بی نے قیاس آرائی کی۔

"فاختہ بی میری پوری بات تو سن لیجیے۔" فاختہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"جی جی بولیے! میں سن رہی ہوں۔"

"میں قریب گیا تو پتا چلا بلبل بچوں کے لیے کھانے کا بندوبست کرنے گئی تھی، ابھی تک نہیں لوٹی۔"

"یا اللہ خیر!" فاختہ بی نے فوراً دل تھام لیا۔

"بچے بھوکے تھے، میں انھیں کھانا کھلا کر سلا آیا ہوں۔" طوطے میاں نے تسلی آمیز لہجے میں بتایا۔

دعا کیجیے بلبل خیریت سے ہو۔ مجھے بہت فکر ہو رہی ہے، بچے ابھی تو سو گئے صبح اٹھ کر بہت پریشان ہوں گے، انھیں کب تک بہلایا جا سکتا ہے۔" فاختہ بی کو بچوں پر ترس آ رہا تھا۔

"میں آپ سے یہی کہنے آیا ہوں کہ صبح روشنی ہوتے ہی ہم سب بلبل کی تلاش میں نکل جائیں گے۔ اس مشکل گھڑی میں ہمیں ان بچوں کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ پڑوسی ہونے کے ناتے ہمارے بھی کچھ فرائض ہیں۔" طوطے میاں کی بات سن کر فاختہ بی تائید میں سر ہلانے لگی۔

"چلیے، اب آپ سو جائیے! صبح کٹھن سفر پر نکلنا ہے۔" طوطے میاں شب بخیر کہہ کر اپنے گھونسلے میں چلے آئے۔

◆◆◆

یہ معمول سے زیادہ روشن اور ٹھنڈی صبح تھی۔ سورج مسکراتا محسوس ہو رہا تھا۔ آنکھ کھلی، پہلے تو کافی دیر تک بلبل غائب دماغی سے چہار سو دیکھتی رہی، پھر ساتھ ہی رات کا واقعہ ذہن کے پردے پر روشن ہو گیا۔

"جگنو بھیّا!" اس نے گھبرا کر جگنو کو پکارا۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ درخت کی شاخ سے اڑ کر ادھر ادھر اڑان بھرتی جگنو کو پکارتی رہی، لیکن جواب ندارد!

جگنو بھیّا ہوتے تو جواب ملتا نا! بلبل کے سوتے ہی وہ اپنی راہ ہو لیے تھے۔ وہ کچھ دیر تک ادھر ادھر انھیں تلاش کرتی رہی، پھر چپ چاپ اسی درخت پر آ بیٹھی۔ اب وہ کچھ پریشان سی ہو رہی تھی، وہ بھول چکی تھی کہ وہ کس طرف سے آئی تھی۔ بھوک سے بھی طبیعت نڈھال ہو رہی تھی۔ اسے یوں بیٹھے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ طوطے میاں اور فاختہ بی کچھ دوسرے پرندوں کے ساتھ اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ اس ویرانے میں شناسا چہرے دیکھتے ہی وہ کھل اٹھی۔ فوراً سے پیشتر اپنے بچوں کے بارے میں پوچھا۔

"بلبل! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تمہارے بچے بالکل ٹھیک ہیں۔ رات انھیں کھانا کھلا دیا تھا، ابھی وہ سو رہے تھے، اس لیے چڑیا بی کو ان کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہ یقیناً ان کا خیال رکھے گی۔" طوطے نے اسے تسلی دی۔ بلبل کے چہرے پر تشکر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اپنے کانوں کے قریب پرندوں کی آواز سنی تو آدھ جلے درخت نے مندی مندی آنکھیں کھول دیں۔

بقیہ صفحہ 23 پر

مہمان داری

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب

شیخ صاحب کی خوش دامن رضائے الٰہی سے وفات پا گئی تھیں۔ شیخ صاحب کی اہلیہ نے رو رو کے اپنی طبیعت خراب کرلی۔ شیخ صاحب نے بہتیرے انھیں سنبھالنے اور سمجھانے کو شش کی کہ بھلی مانس ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ آپ کی والدہ مرحومہ تو بہت نیک خاتون تھیں۔ بے فکر رہیں، رب تعالیٰ ان کی بہترین مہمان نوازی کرے گا، ان شاء اللہ! مگر اہلیہ کو ماں کی موت کا غم ایسا لگا کہ کسی طور صبر وقرار ہی نہیں آرہا تھا۔ انھیں وقتاً فوقتاً غشی کے دورے پڑنے لگے۔ دماغی حالت بس سے باہر ہونے لگی۔ ایسے میں ڈاکٹر صاحب نے انھیں پُر فضا مقام پر لے جانے کا مشورہ دیا۔ کراچی کے علاوہ دیگر شہروں میں ان دونوں میاں بیوی کا کوئی رشتے دار رہائش پذیر نہ تھا اور اس پُر فتن معاشرے میں ہوٹل و گیسٹ ہاؤس میں قیام کرنا باعثِ اطمینان نہیں۔ اب جائیں تو جائیں کہاں؟

ایسے میں شیخ صاحب کے احباب میں سے کسی خیر خواہ نے انھیں اپنے شہر میں آنے کی دعوت دے دی، جو کافی پس و پیش کے بعد قبول کرلی گئی۔ شیخ صاحب نے اہلیہ کے ہم راہ رختِ سفر باندھا اور پنجاب کی جانب عازم سفر ہوئے۔ کراچی سے پنجاب کا سفر بخیر وعافیت طے ہوا۔ پنجاب کی لہلہاتی گنگناتی ہواؤں نے خیر مقدم کرتے ہوئے انھیں خوش آمدید کہا۔ اہلیہ کے مرجھائے ہوئے چہرے پر رونق کے آثار نمودار ہوئے تو شیخ صاحب کے دل کی کلی کھل گئی اور انھوں نے پنجاب میں قیام کا دورانیہ بڑھانے کا فیصلہ کردیا۔ بس یہیں سے شیخ صاحب نے اپنی زندگی کے تلخ ترین تجربات کا سامنا کیا۔

مہمان کا اس قدر ٹھہرنا جائز نہیں کہ گھر والوں کا حرج ہونے لگے۔ ابو شریح کعبی سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہیے۔ اس کی خاطر داری بس ایک دن اور رات کی ہے اور مہمانی تین دن تک ہے، اس کے بعد جو ہو وہ صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے میزبان کے پاس اتنے دن ٹھہر جائے کہ اسے تنگ کر ڈالے۔" (صحیح بخاری)

اب ہوا یوں کہ شیخ صاحب نے مع اہلیہ تین دن تک تو مہمانِ خصوصی ہونے کا شرف حاصل کیا، پر جوں جوں قیام کا دورانیہ بڑھتا گیا توں توں میزبان کے رویے میں واضح طور پر تبدیلی آتی گئی۔

مہمان نوازی (Hospitality) یا ضیافت، مہمان اور میزبان کے مابین تعلقات کا نام ہے۔ میزبان، مہمان کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے۔ وہ زائرین، اجنبی اور مہمان کی تفریح اور آرام کا خیال بھی رکھتا ہے۔ مہمانوں کی عزّت و تکریم اور خاطر تواضع اسلامی معاشرے کی اعلیٰ تہذیب اور بلندیٔ اَخلاق کی روشن علامت ہے۔ اسلام نے مہمان نوازی کی بہت ترغیب دلائی ہے۔ سرکارِ دوعالم حضرت محمد ﷺ خود مہمانوں کی خاطر داری فرماتے تھے اور گھر میں کچھ نہ ہوتا تو اس کے لیے قرض لے لینا بھی ثابت ہے، چناں چہ حضرت سیّدنا ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے: "ایک مرتبہ دربارِ رسالت میں ایک مہمان حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے ایک یہودی سے اُدھار غلّہ لینے کے لیے بھیجا، مگر یہودی نے رَہن کے بغیر آٹا نہ دیا تو آپ ﷺ نے اپنی زِرہ گِروی (Mortgage) رکھ کر اُدھار غلّہ لیا۔ (مسند البزار)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا کہ "جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اُسے چاہیے کہ مہمان کا احترام کرے۔" (صحیح بخاری)

مہمان نوازی سے مہمان کے دل میں میزبان کی عزّت اور محبّت میں اضافہ ہوتا ہے، آپس کے تعلّقات مضبوط ہوتے ہیں، رنجشیں رفع ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، بندۂ مؤمن کے دل کو خوش کرنے سے میزبان کو ثواب کمانے کے مواقع میسّر آتے ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کی خوش نودی نصیب ہوتی ہے۔

مگر افسوس! آج کے ترقی یافتہ دور میں مہمان نوازی کی قدریں دم توڑتی نظر آرہی ہیں۔ گھر میں بطورِ مہمان، قیام زحمت سمجھا جانے لگا ہے اور ایسے مہمانوں کے لیے گھروں کے دستر خوان سُکڑ گئے ہیں۔ ایک وہ دور تھا کہ جب لوگ مہمان کی آمد کو باعثِ برکت وسعادت سمجھتے اور مہمان نوازی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے بے تاب نظر آتے تھے، جبکہ آج کے دور میں مہمان کو وبالِ جان سمجھ کر مہمان نوازی سے دامن چھڑاتے ہیں۔ اگر کسی کی مہمان نوازی کرتے بھی ہیں تو اسی کی جس سے دنیاوی مفاد وابستہ ہوتا ہے، حالاں کہ مہمان نوازی باعثِ فضیلت عمل ہے۔

مہمان نوازی کیسے کریں؟ "رویّے کی درستی" مہمان نوازی کی بنیادی شرط ہے۔ کوفت کا اظہار، طنزیہ انداز، ترش لب ولہجہ اور غیر ضروری سوالات کی بوچھار کئی دُنیوی واُخروی فوائد سے محروم کرسکتی ہے۔ لہٰذا مہمان کی آمد پر اس کے مقام ومرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے نہایت خوش دلی، وسعتِ قلبی اور گرم جوشی سے استقبال کیجیے۔ اپنی حیثیت اور مہمان کی طبیعت کے موافق کھانے پینے اور رہنے کا اہتمام کیجیے۔ شرعی احتیاطوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی دل جوئی اور مناسب گفتگو کیجیے اور واپسی پر حسبِ استطاعت اُسے تحفہ سے نوازیے اور دروازے تک رخصت کرنے جائیے کہ یہ سب مہمان کے اکرام میں داخل ہے۔ یقیناً اسلام کی روشن تعلیمات کے مطابق اگر ہم مہمانوں کی خلوصِ دل سے خدمت کرنے لگیں تو خاندانی جھگڑوں اور ناچاقیوں سمیت کئی معاشرتی ناسُور اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

مہمان داری کے آداب اور میزبان کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ بحیثیتِ مہمان، میزبان کی دعوت قبول کی جائے، میزبان کی جانب سے جو قیام وطعام کا اہتمام کیا جائے، اس کو بسر وچشم قبول کرنا، جبکہ مہمان کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ میزبان سے زیادہ تکلفات میں نہ پڑنے کا تقاضا کرے، میزبان کے لیے دعا کرے وغیرہ۔

مہمان نوازی کی ایک آفت، اسراف کا شکار ہوجانا ہے۔ اس آفت کا شکار فقط آج کا ہی انسان نہیں بلکہ قدیم سے ہی ہر مہمان نواز اس آفت کا شکار رہا ہے، البتہ آج کل کے دور میں ریاکاری، خود نمائی اور نمود ونمائش کی بیماری ماضی کی بنسبت زیادہ بڑھ گئی ہے، حالاں کہ اسلام نے مسلمانوں کو بحیثیتِ مہمان حکم دیا ہے کہ وہ میزبان سے تقاضا کرے کہ وہ تکلّفات میں نہ پڑے۔

مہمان نوازی انسانی اقدار میں سے ایک بہترین قدر اور اعلیٰ صفت ہے۔ مہمان نواز ہونا در اصل آپ کے مہذّب، بااخلاق اور دیندار ہونے کا آئینہ دار ہے۔ ہم اگر مہمان نوازی کی پیاری سنتوں پر عمل کرنے میں کام یاب ہوجائیں تو نہ صرف مہمان نوازی کی ایک اچھی ثقافت کو اجاگر کرسکتے ہیں، تبھی مہمان ہمارے لیے باعثِ زحمت نہیں بنے گا، بلکہ مغفرتِ الٰہی کا سبب بنے گا، لیکن ہم اسے سمجھنے کی کوشش

نہیں کرتے کیوں کہ ہم نے مہمان نوازی کے معیار ہی یکسر بدل ڈالے ہیں۔ مہمان نوازی کا امر انجام دے کر ہم محبوبیتِ خدا حاصل کرنے کی بجائے خدا سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ مہمان، وہ تو اپنی روزی ساتھ لے کر آتا ہے اور میزبان کے گناہوں کو ساتھ لے کر جاتا ہے (یعنی) بخشوا کر جاتا ہے۔

یاد رکھیے: ◆ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں، جب مہمان گھر آئیں تو ان کا خوش دلی سے استقبال کرنا چاہیے۔

◆ ایک اچھا میزبان وہ ہے جو مہمان کی پذیرائی بہترین انداز سے انجام دے جو کہ اس کے جود و سخا کی علامت ہے۔

◆ مہمان کی بہترین انداز میں خدمت کرے۔

◆ اگر مہمان کسی قسم کا بیش قیمت یا ادنی سا ہدیہ میزبان کی خدمت میں پیش کرے تو اسے بخوشی قبول کرے۔

◆ کوئی بھی کام مہمان سے نہ کروائے، اگر مہمان خود سے کسی کام کو انجام دینے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو میزبان کو چاہیے کہ اسے زحمت نہ دے، لیکن اگر مہمان اصرار کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

◆ مہمان کی آمد کے وقت اس کی مدد کرنا میزبان کا فریضہ ہے، مثلاً اگر مہمان کہیں دور سے آرہا ہے اور اس کے ساتھ سامان وغیرہ بھی ہمراہ ہے تو میزبان کو چاہیے کہ مہمان سے سامان لے کر خندہ پیشانی سے مہمان کی ہمراہی کرے اور آگے بڑھ کر جس جگہ پر اسے بٹھانا ہے، اس کی رہنمائی کرے۔

مہمان کو کھانا پیش کرنے کے آداب:

1. کھانا تیار کرنے یا پیش کرنے میں زیادہ تاخیر مت کریں، مگر یہ کہ خود مہمان دیر سے کھانا لانے کا کہے۔
2. جو کھانا تیار کیا گیا ہے، وہ سب ایک ساتھ لائیں یا پہلے سے ہی مہمان کو اطلاع دے دیں کہ اس کے لیے کون کون سا کھانا تیار کیا گیا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ جب مہمان ایک کھانا کھا کر سیر ہو جائے تو دوسرا کھانا لایا جائے۔
3. کھانے کی جو مقدار مطلوب ہو اتنا ہی کھانا بنوایا جائے، نہ تو اتنا کم کھانا بنوائے کہ مہمان بھوکا رہ جائے اور نہ ہی زیادہ کھانا بنوائیں کہ جو ضائع ہو۔
4. اگر محسوس ہو کہ مہمان بھوکا ہے تو جو بھی بنا ہو پیش کر دیں، اسے بھوکا رکھ کر کھانا بنوانا درست نہیں بلکہ جو موجود ہو وہ پیش کر دیں۔ دراصل یہاں پر آپ مہمان کی بھوک کو مدّ نظر رکھ کر اسے فوقیت دے رہے ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے مہمان کو اچھا کھانا نہیں کھلایا۔

اگر آپ خلوصِ نیت سے مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو کچھ اپنی حیثیت کے مطابق پیش کرتے ہیں، اسے کم اور حقیر نہ سمجھیں، کیوں کہ خود یہ امر ایک قسم کی ناسپاسی ہے۔ اگر آپ قدرت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے تو مہمان نوازی کرتے ہوئے مہمان کے سامنے بہترین سے بہترین کھانا پیش کریں۔ مہمان کو حتّی الامکان آسائش و آرام فراہم کریں۔

یاد رکھیں! مہمان اپنا رزق ساتھ لاتا ہے۔ محض خوش نودیٔ الٰہی کے لیے مہمان کا اکرام کریں گے تو قوی اُمید ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہماری بہترین مہمان نوازی کرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

بقیہ

ذرا سی توجہ

اپنی شاخوں پر اتنے پرندے دیکھ کر اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پوری کھل گئیں۔ نیم مردہ وجود میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

پرندے زور و شور سے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ درخت نے کئی بار آنکھیں مسلیں کہ کو یا وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا، مگر یہ حقیقت تھی۔

وہ کافی عرصے سے زندہ ہونے کے باوجود مردوں کی سی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ اپنے وجود میں زندگی کی رمق محسوس نہیں کرتا تھا۔ تنہائی نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ اس کی طرح یہاں کچھ اور درخت بھی نیم مردہ تھے۔

کبھی یہ علاقہ بھی باقی جنگل کی طرح ہرا بھرا تھا، ان درختوں پر بیشتر پرندوں کے گھر تھے۔ ایک بار یہاں کچھ لٹیرے انسان لکڑیاں کاٹنے چلے آئے، سردی کافی زیادہ تھی، انھوں نے سردی کا توڑ کرنے کے لیے کچھ لکڑیاں جلا کر حرارت کا انتظام کر لیا اور اپنا کام کرنے لگے۔ جاتے ہوئے وہ اپنی جلائی آگ یوں ہی جلی چھوڑ کر چلے گئے، ان بجھتی ہوئی لکڑیوں سے چند چنگاریاں اڑیں اور اس پورے حصے کو جلا کر راکھ کر دیا۔ قیامتِ صغریٰ کا منظر تھا، کئی بے خبر پرندے بے موت مارے گئے اور کچھ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ درخت اگرچہ جان دار تھے، لیکن حرکت کر کے اپنی جان بچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ بارش نہ ہوتی تو یہ چند درخت بھی مکمل طور پر جل جاتے۔

درخت ماضی کو یاد کرتے کرتے سسک پڑا۔ اس کی سسکیاں پرندوں کی سماعت سے ٹکرائیں تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ درخت نے اپنی درد بھری داستان، تنہائی کے عذاب سنائے۔ سبھی پرندے افسردہ ہو گئے۔

"ذرا سی توجہ، ذرا سی محبت زندگی کی نوید سنا سکتی ہے۔" کچھ لمحات گزرنے کے بعد طوطے میاں نے سرد آہ بھری۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں سوچ رہی ہوں، جیسے آپ کی تھوڑی سی توجہ سے میرے بچے آج زندہ سلامت ہیں۔ آپ نے انھیں رات نہ دیکھا ہوتا تو وہ یقیناً بھوک سے مر جاتے، اسی طرح ہم ان نیم مردہ درختوں کو بھی زندگی کی نوید سنا سکتے ہیں۔" بلبل نے پُر اُمید نگاہوں سے باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟" مینائی نے سوال اٹھایا۔

"ہم یہاں اپنے گھونسلے بنا کر، کچھ نئے پودوں کے بیج بو کر ایک بار پھر اس حصے کو آباد کر سکتے ہیں۔" طوطے میاں نے تفصیلی جواب دیا۔

"ہم بھوکے مر جائیں گے، یہاں تو کھانے کو کچھ نہ ملے گا۔" کوّے میاں پریشانی کے عالم میں چلا ہی اٹھے۔

"اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کوے میاں! رزق کا وعدہ رب نے کر رکھا ہے، وہ تو پتھر میں پلنے والے حشرات کو بھی بھوکا نہیں مارتا۔ اس علاقے سے کچھ ہی فاصلے پر بہت عمدہ جگہ ہے، پھلوں کے درخت اور میٹھے پانی کی جھیل ہے۔" طوطے میاں نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا تو سب چہک اٹھے۔

"چلیے! پھر تو ہمیں نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کل ہی ہم یہاں بیج لا پھینکیں گے اور ان شاءاللہ جلد ہی بسیرا بھی کر لیں گے۔" کوّے میاں چہک کر بولے۔

یہ ساری گفتگو درخت بھی سن رہا تھا، اس کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ ان پرندوں کا شکر گزار تھا، جنھوں نے اسے زندگی کی نوید سنائی تھی۔ واقعی! ذرا سی توجہ جو ہم کسی کو دیں، وہ اسے سچی خوشی یا نئی زندگی عطا کر سکتی ہے۔۔۔!!

BAITUSSALAM

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹراساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی / پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

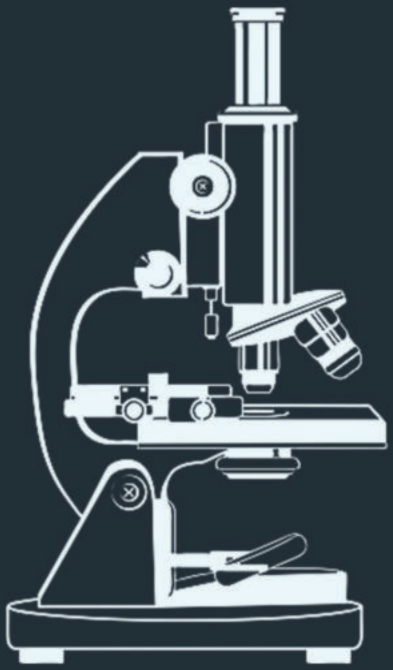

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز
مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی
PSO پمپ سے متصل کراچی۔

اک سفر سہانا۔۔۔

آخری قسط

حفصہ محمد فیصل

ایک خوب صورت سفر نامے کا آخری حصہ، جس میں کئی دلچسپیاں پنہاں ہیں

بڈ گوئی پاس سوات کو دِیر سے ملاتا ہے۔اس درّے کے دونوں طرف خوب صورت وادیاں ہیں۔بڈ گوئی پاس سیّاحوں کا پسندیدہ ترین راستہ بھی بن چکا ہے۔بڈ گوئی پاس کا پورا راستہ پتھریلا ہے۔راستے میں چھوٹی چھوٹی آبشاریں بھی ملتی ہیں۔اس راستے کو اتروڑ پاس اور بڈ گوئی ٹاپ بھی کہتے ہیں۔یہاں پہنچ کر اللہ کی قدرت کا احساس ہوتا ہے۔

راستہ مزید پر پیچ ہو رہا تھا۔کمراٹ ویلی قریب آ رہی تھی۔قدرت کے حسین نظارے آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔بالآخر ایک چڑھائی کے پاس ہماری فور بائی فور گاڑی جا ٹھہری۔یہاں پر ہوٹل والوں نے فیملی کے لیے ٹین کے چھوٹے چھوٹے کمرے زمین میں گاڑھے ہوئے تھے، جس میں قالین، بستر، رضائیوں کی سہولت مہمانوں کو راحت پہنچانے کا بہترین انتظام تھا۔کھانے کا آرڈر دے کر نمازِ ظہر اپنے اس ٹین کے کمرے میں ادا کی اور پھر اس لطیف ٹھنڈے موسم میں نرم گرم بستر اور رضائی میں ستانے کو لیٹے تو مزے کی نیند نے آ گھیرا۔تھوڑی دیر میں گرم گرم چکن کڑاہی حاضر تھی، لیکن بریانی جو ہم کراچی والوں کی کم زوری ہے، اس کا نام سن کر بچوں نے آرڈر کر دی تھی۔اس کی قیمت کے ساتھ ساتھ ذائقے نے بھی بڑا مایوس کیا۔خیر! کڑاہی سے پورا پورا انصاف کیا گیا۔

اک اور دریا کا سامنا تھا منیرؔ مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

اب پیدل سفر تھا ایک اونچی اور آڑھی ترچھی چڑھائی کا، جہاں سے ہمیں کمراٹ ویلی کی جان کمراٹ آبشار تک پہنچنا تھا۔ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اس چڑھائی کو چڑھتے گئے، کئی جگہ سانس پھولا، کہیں پاؤں پھسلا، مگر اپنے پیاروں نے سہارا دیا، ہاتھ تھاما اور ہنستے کھیلتے آبشار پر پہنچ ہی گئے۔

کمراٹ آبشار کی خوب صورتی اور وہاں کا ماحول ناقابلِ بیان حد تک لطیف اور خوش گوار تھا۔زندگی کی ایک خوبصورت یاد ذہن کے دریچوں میں رقم ہو گئی تھی۔وہاں کے موسم اور آبشار کی خوب صورتی کو کافی دیر تک محسوس کرتے رہیں۔اب واپسی کا سفر بھی لازمی تھا جو کہ کافی طویل اور پُر خطر تھا۔عشاء تک کالام پہنچنے کا ٹارگٹ تھا، لیکن درمیان میں ہماری فور بائے فور گاڑی نے دغا دے دیا، جو ایک سنسان اور پر خطر موڑ پر تھا، لیکن خدا کا کرنا ایک اور گاڑی پیچھے ہی آ رہی تھی اور بھلا ہو اس گاڑی کے سواروں کا جنھوں نے ہمیں لفٹ دے کر اس مشکل سے نکالا، اسی وجہ سے تقریبًا ہم دو گھنٹے تاخیر سے رات ۱۰ بجے کے قریب ہوٹل پہنچے۔تھکن سے چور جسم، ہلکے پھلکے کھانے اور عشاء کے بعد آرام کے لیے کمبل اوڑھ کر بستروں میں جا دبکے۔

اگلی منزل: اگلے دن کالام کے دوسری جانب مہوڈنڈ جھیل تک جانے کی ترتیب تھی، جہاں راستے میں دیگر بہت سے پوائنٹس بھی تھے، جن پر رُکنا تھا اور آخری پوائنٹ مہوڈنڈ تھا۔

اشو فاریسٹ: لمبے لمبے چیر کے درختوں کا گھنا جنگل جہاں پر کچھ حصہ میدانی صورت میں لوگوں کی تفریح کے لیے بھی بنایا گیا ہے، وہاں گھڑ سواری اور اسکائی سائیکلنگ کرتے ہوئے لوگ نظر آ رہے تھے۔

اشو فوریسٹ ایک خوب صورت اور دلکش منظر لیے ہوئے تھا۔مہوڈنڈ جھیل کا راستہ کالام سے کچھ فاصلے پر کالام جنگل یا اُشو فاریسٹ کے درمیان سے ہو کر گزرتا ہے۔گھنے جنگل میں پرندوں کی سُریلی اور گاڑی کے انجن کی آواز گھنے جنگل کی خاموشی کو توڑتے ہوئے اُشو ویلی تک جا پہنچتی ہے۔جھیل کا یہ راستہ گھنے جنگل، اشو ویلی، گلیشیر، مٹلتان، بلوغہ گاؤں، شاہی گراؤنڈ، جیسے خوب صورت نظاروں پر مشتمل ہے جو مہوڈنڈ جھیل تک جا پہنچتا ہے۔

وادی کالام کا ہر گوشہ جنت کا نظارہ پیش کرتا ہے۔لوگ عموماً اُشو جنگل، مہوڈنڈ جھیل اور جھیل جاتے ہوئے سر سبز وادیوں، برف سے ڈھکے فلک بوس پربتوں، بلندیوں سے گرتے آبشاروں، جھرنوں اور پتھروں سے سر پھوڑتے دریاؤں اور جھاگ چھوڑتے نالوں ندیوں کو ہی پوری وادئ کالام سمجھ بیٹھتے ہیں۔یہ بات حقیقت ہے، مذکورہ بالا وادیوں کی خوب صورتی سے انکار کسی صورت ممکن نہیں ہے، مگر انھیں حسنِ کل سمجھنا نادانی ضرور ہے۔کالام صرف مہوڈنڈ جھیل اور اوشو فاریسٹ کا نام نہیں ہے، اس کا ہر کونا چیخ چیخ کر کہتا ہے۔۔۔

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

چھوٹا مہوڈنڈ: یہ جھیل مصنوعی طور بنائی گئی ہے۔اصل مہوڈنڈ جھیل تو بہت ہی زیادہ اونچائی پر اور طویل راستے کے بعد آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔اس جھیل کو مصنوعی طور پر بنا کر اصل مہوڈنڈ کی نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اسی طرح یہاں پر بھی کشتی رانی کا انتظام کیا گیا ہے، لیکن یہاں نہ ماحول ایسا ملتا ہے نہ ہی لوگ اتنا زیادہ یہاں رُکتے ہیں۔بس! 'دل کی تسلی کو غالب یہ خیال اچھا ہے' والی بات ہے۔

کالام آبشار: اگلی منزل کالام آبشار تھی، جہاں پر ٹھنڈے ٹھار آبشار کا پانی پی کر آسودگی کا احساس ہوا۔لوگوں کی انگیٹھیاں جو بن پر تھیں۔ٹھیلے والے، مونگ پھلی والے، مرمرے کی مٹھائی والے، آبشار کے پانی سے ٹھنڈے کیے گئے جوس اور کولڈ ڈرنک والے سیّاحوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔اس منزل سے آگے ایک اور خوب

صورت منزل منتظر تھی۔

کالام گلیشیئر (برف کے پہاڑ): گویا ہم کراچی والوں کے لیے جنت کا سماں تھا۔ ایک مخصوص ٹکڑے میں برفانی ماحول کا احساس ہمارے لیے اچنبھے سے کم نہ تھا۔ برف کی دیواریں ساتھ ہی بہتا ہوا دریائے سوات۔ برف کے گولے بنا بنا کر ایک دوسرے پر اچھالنا، یہاں تک کہ وہاں کے مقامیوں نے اسی برف سے واقعتاً گولے بنا بنا کر اور اس پر رنگ برنگے شربت نچھاور کر کے سیاحوں کو کھلانے کا اہتمام بھی کر رکھا تھا، ہر دو قدم پر بچوں اور نوجوانوں نے اپنے برف کے گولے کے ٹھیلے بنا لیے تھے اور لوگ مزے سے اس گولے کو کھا کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

اس دن چوں کہ 10 محرم کی چھٹی تھی، اس وجہ سے ارد گرد کے مقامی لوگ بھی وہاں پر کثرت سے موجود تھے، سیاحوں کی تعداد علیحدہ تھی۔ گرم موسم تھا، لیکن قدرت کی کیا شان ہے کہ یہ گلیشئر کا پہاڑ اپنی آب و تاب کے ساتھ برف کو جما کر کھڑا تھا، اس کے درمیان سے گزرنے والا دریائے سوات کا پانی بھی یخ ٹھنڈا تھا۔ سرنگ نما گلیشئر میں لوگ جا جا کر تصاویر بنا کر اپنا شوق پورا کر رہے تھے، کچھ لوگ برف کے گولے توڑ توڑ کر اس کے ساتھ بھی تصاویر بنوا کر اپنے پیاروں کو بھیج رہے تھے کہ "دیکھو! ہم برف کے قریب کھڑے ہیں اور اوپر سورج چمک رہا ہے۔"

بغیر کسی مبالغے کے یہ کہنا درست ہوگا کہ کالام گلیشئر، وادی کالام کا ایک خوب صورت اور حسین پوائنٹ ہے۔

چشمۂ شفا: اس سے آگے "چشمہ شفا" کا پوائنٹ تھا۔ نہایت لذیذ چشمے کا پانی جسے پینے کے ساتھ ساتھ اس سے وضو بھی کیا اور ظہر ادا کی۔ اللہ پاک کی ثنا دل جھوم جھوم کر بیان کر رہا تھا۔

مہوڈنڈ جھیل کے نظارے: اب آخری منزل مہوڈنڈ جھیل تھی، جس کا راستہ اونچائی پر ہونے کے ساتھ ساتھ پُرخطر بھی تھا، لیکن کیا کیجیے اس شوقِ سفر کو کہ

ہم دوہری اذیت کے گرفتار مسافر
پاؤں بھی ہیں شل، شوقِ سفر بھی نہیں جاتا

بس اسی شوق نے مہوڈنڈ جھیل کی پُرسکون اور خاموش وادی میں لا اتارا۔

مہوڈنڈ جھیل کالام سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر وادئ اسو، ضلع سوات، خیبر پختونخوا، پاکستان میں واقع ہے۔ اس جھیل میں مچھلیوں کی بہتات ہے۔ اس لیے اسے مہوڈنڈ جھیل یعنی "مچھلیوں والی جھیل" کہا جاتا ہے۔ مہوڈنڈ کا شمار سوات کی خوب صورت ترین جھیلوں میں ہوتا ہے۔

مہوڈنڈ پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ یورپ کے کسی حسین ملک میں پہنچ گئے ہیں۔ جھیل کے چاروں طرف ہری چراگاہیں اور جھیل کا زمرد رنگ کا پانی اس کو مزید حسین بنا دیتا ہے۔ جھیل میں دو سو کے قریب کشتیاں ہیں، جن میں سیاح سفر کرتے ہیں۔ مہوڈنڈ میں موسم کافی سرد ہوتا ہے اور ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں۔ مہوڈنڈ میں رہائش کے لیے خیمہ بستی قائم ہے۔ خوراک کے لیے کافی تعداد میں چھوٹے چھوٹے ریسٹورنٹ ہیں، جن میں مشہور ٹراؤٹ مچھلی بھی ملتی ہے۔

جھیل پر پہنچ کر ایک سرشار سی کیفیت تھی۔ پُرسکون اور خاموش ماحول میں جی چاہ رہا تھا کہ آنکھیں بند کر کے اس ماحول کو بہت دیر تک محسوس کیا جائے۔ جھیل میں کھڑی بے شمار کشتیاں ہمیں دعوتِ سیر دے رہی تھیں اور ہم نے ان کی دعوت قبول کی اور ایک کشتی کو بک کروایا، جو ہمیں جھیل کے اگلے کنارے تک لے گئی، جہاں پر بہت سارے خاندان پہلے سے ہی موجود تھے۔ کئی گھوڑے والے اپنے گھوڑوں کے ساتھ گھڑ سواری کروانے کے لیے تیار کھڑے تھے، کوئی فٹ بال کھیل رہا تھا تو کوئی پانی میں پتھر پھینک کر شغل کر رہا تھا۔ ہری ہری گھاس پر بیٹھ کر کچھ دیر تازہ دم ہوئے اور پھر دوبارہ جھیل کے پچھلے کنارے پر واپس آ گئے۔

ایک ریسٹورنٹ میں ٹراؤٹ فش کا آرڈر دیا۔

ٹراؤٹ فش ایک مہنگا کھانا ہے، لیکن یہاں آ کر یہ مچھلی نہ کھانا، خود اپنے آپ سے بھی اور اس جگہ سے بھی ناانصافی ہے۔

اسی لیے دل بڑا کر کے اس مچھلی کا آرڈر باقاعدہ طور پر دے ہی دیا۔ فارم میں اُچھلتی کودتی مچھلیاں پکڑ کر ان کا وزن کیا جاتا ہے، گاہک کے سامنے ہی تازہ تازہ کاٹ کر پھر اسے پکایا جاتا ہے۔ پکانے کی کئی اقسام ہیں: کڑاہی کی صورت، گرل کی صورت، فرائی کی صورت۔

ہم نے فرائی کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی چکن کڑاہی بھی منگوالی۔

ریسٹورنٹ کے مالک نے ہمیں ایک خوب صورت سے خیمے میں ٹھہرنے کو کہا، جہاں پر کمرات کے ٹن ٹینٹ کی طرح بستر کمبل اور تکیے رکھے گئے تھے، تاکہ آرام کر کے تھکن اتاری جائے اور تازہ دم ہو کر کھانا تناول کیا جائے۔

مہوڈنڈ جھیل کی ٹھنڈی، میٹھی لطیف ہواؤں نے تھوڑی ہی دیر میں نیند کی وادیوں کی سیر کروا دی۔ تقریباً 45 منٹ کے بعد کھانا ہمارے خیمے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم کھارے پانی کی مچھلی کے ذائقے سے آشنا لوگوں کے لیے ٹراؤٹ مچھلی کا ذائقہ منفرد اور لذیذ تھا۔

اب مہوڈنڈ کو خیرباد کہنے کا وقت تھا۔ راستے میں سڑکوں کے اتار چڑھاؤ کو عبور کرتے عصر تک اشو فاریسٹ پہنچ چکے تھے، لیکن اشو فاریسٹ سے کالام جانے والا روڈ بلاک تھا۔ جنگل میں نمازِ عصر ادا کی۔ اسی وقت ایک گاڑی والا جنگل کی بھول بھلیوں میں راستے کی تلاش میں آگے بڑھا، اسی کی دیکھا دیکھی ہمارے گاڑی والے نے بھی یہ تجربہ کرنے کی ٹھانی، لیکن وقت کی بچت کے چکر میں مزید تاخیر کا شکار ہوئے۔ اب عالم یہ تھا کہ چاروں طرف لمبے لمبے چیر کے درخت تھے اور ہماری گاڑی ان کے درمیان میں گھری نامعلوم راہوں کی متلاشی تھی۔ ڈرائیور صاحب راستے کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ثم السّبیل کا وِرد زبان پر جاری تھا۔ دور سے مغرب کی اذانیں سنائیں دیں، جنگل میں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا، خوب صورت جنگل میں ہولناکی پھیلتی محسوس ہو رہی تھی کہ اسی دوران دو گاڑیاں سامنے سے آتی نظر آئیں۔ ان میں سے ایک ڈرائیور اس بھول بھلیوں والے راستے سے واقف تھا۔ ہماری گاڑی اب اس کے پیچھے پیچھے چلتی بالآخر کچے کے راستے سے ہوتے ہوئے سیدھی سڑک پر آ پہنچی۔ ٹریفک ہنوز برقرار تھا۔ ڈرائیور صاحب کچھ دیر تو خراماں خراماں گاڑی چلاتے رہے، لیکن کچھ دیر بعد پھر جوش سوار ہوا اور وہ ایک بار پھر آڑھے ترچھے رستوں سے ہوتے ہوئے ہمیں ہوٹل پر پہنچانے میں کام یاب ہو ہی گئے۔

اگلی صبح واپسی تھی، پیکنگ، تیاری اور کالام سے مینگورہ تک کے لیے گاڑی بک کروائی۔

کالام سے مینگورہ کے سفر میں بحرین میں آڑو کے باغات پر رکنا طے پایا تھا، جہاں سے درختوں پر لٹکے آڑو نہ صرف دیکھنا تھے بلکہ خریدنا بھی تھے۔ آڑوؤں کی بہار دیکھنے اور انھیں خریدنے کے بعد ہم تقریباً صبح 10 بجے مینگورہ بس اڈے پر پہنچ چکے تھے۔ ٹھیک ۱۱ بجے ہمیں سوات ایکسپریس سے واپس کراچی کے لیے رختِ سفر باندھنا تھا۔

ساتھ ہی ذہن میں یہ جملے گونج رہے تھے:

زندگی مسلسل سفر کا نام ہے، ایک سفر ختم ہوتا ہے تو دوسرے کا آغاز ہوتا ہے۔

ضیوف الرّحمٰن

عائشہ محبوب

چوتھی قسط

ہوٹل تک کا سفر ایک بے خودی میں ہوا۔ اس بے خودی میں دو بار الگ الگ جگہوں پر جا پہنچی، مگر اس شہرِ دل نواز میں نہ کوئی خوف نہ کوئی ڈر غم لگا کہ راستہ نہیں مل رہا۔ قرآن کی آیت یاد آئی دعا مانگی کہ جیسے آج کوئی ڈر کوئی غم نہیں محسوس ہوتا، اس دن روزِ جزا بھی یہی معاملہ نصیب ہو۔ باجی جان سے دوبارہ ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ مدینے کی گلیوں، سڑکوں کے پیدل سفر کی کیفیت ابھی لکھتے بھی دل میں شدّت سے محسوس ہو رہی ہے۔ رونا اور آنسو رُکتے ہی نہیں نا، وہاں کا ذکر، یاد کسی گھڑی رہ جاتی ہے۔ میں نے اکیلے بھی خوب مسجدِ نبوی کا پیدل سفر کیا۔ بس! دیکھتی جاتی۔۔۔ بہتے آنسوؤں سے دل میں سکون۔۔۔ جنّت البقیع، باب السلام سے آگے پھر اس سے بھی کافی آگے، گنبدِ اخضر کو ہر جانب سے دیکھنے لینے کی تڑپ۔۔۔ کافی حد تک یہ حسرت پوری ہوئی۔

یاد آتی ہے اہلِ مدینہ کی یہ بات — زندہ رہنا ہے تو انسان مدینے میں رہے
ایسا منظر زمانے نے دیکھا نہیں — جیسا منظر مدینے میں موجود ہے

لوگ کہتے ہیں فلاں جگہ اتنی خوب صورت، فلاں جگہ میں یہ اتنا پیارا، فلاں جگہ کا وہ حسین منظر، بے شک میں جانتی ہوں، مانتی ہوں، کیوں کہ خالق ان جگہوں کی خوب صورتی اور حسین مناظر کا، میرا اور آپ کا ربُّ العالمین ہے اور دنیا میں جائے عزّت بھی ہے اور جائے حیرت بھی۔۔۔ عبرت بھی اللہ کریم کو یاد دلاتی اور عجائبات، حیرت، حسین و دلکش مناظر اس کی پہچان کراتے، مگر مدینے میں کیا ہے۔۔۔ مدینے میں کیا ہے؟ مدینے میں کیا ہے؟ مدینے میں بسا ہے دل میرا، جان میری! مدینے میں میرے آقا ﷺ ہیں، مدینے میں اُن (ﷺ) کا روضۂ مبارک ہے۔ مدینے میں وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں (ﷺ)۔ مدینے میں جمال ایسا ہے کہ نہ دل کی تشنگی ملتی ہے، نہ آنکھوں کی پیاس بجھتی ہے۔ سیراب ہو ہو کر بھی دل مچلتا رہتا ہے، مگر قرار تو ملتا ہے، سکون اترتا ہے رگ و پے میں۔

درد ایسا کہ رگ رگ میں ہے محشر بپا — سکون ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

مگر حدِّ ادب لازم ہے ہم محبّین پر! اپنی زندگیوں میں تو ہم ان کی اطاعت و حق کا ذرہ بھی شاید ادا نہیں کر پاتے، مگر ان کے اس شہرِ دل نواز میں ادب ہی پہلا قرینہ، ان کے قرب کے لیے، بار بار حاضری کے لیے۔۔۔ اور ادب پہلا قرینہ ہے، محبت کے قرینوں میں! ادھر دنیا یاد میں رہی تھی، مجھے لگتا زندگی یہی ہے اور یہاں ہی تمام ہونی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ! (آمین ثم آمین)

آخر حج کے لیے روانگی کا وقت آیا۔ رخصت نہ لکھا جا رہا اور نہ میں وہاں سے رخصت ہوئی ہوں۔

دل بھی صدقے کیا، وار دی اپنی جان
روح تسکین پائے تو پائے کہاں
کس طرح دور رہ کر جیئیں ہم یہاں
جب کہ سب کچھ ہمارا مدینے میں ہے
زندگی چاہیے تو مدینے چلو
کیف سارے کا سارا مدینے میں ہے

ہماری چاہت تھی کہ ہم وطن روانہ ہونے سے پہلے دوبارہ مدینہ منوّرہ میں حاضری کا شرف پائیں، جو اس وقت تک پختہ تھا۔ بعد میں عزیزیہ، مکہ میں انتظامی امور کی بنا مکمل نہ ہوا یہ ارادہ، آہ۔۔۔!! سو، اُس وقت روانہ ہوتے دل کو یہ تسلی تھی کہ واپس آنا ہے، مگر دل تھا کہ مڑ مڑ کر پھر پلٹ جاتا جیسے: چھوٹے بچے!

کبھی کہہ رہی ہوں کہ آقا میں بھی کبوتر ہوتی یا ایسے پَر ہوتے کہ بس آپ ﷺ کے گنبدِ اخضر کے اِرد گرد اڑتی رہتی۔ کبھی میں روضۂ مبارک سے متصل فرش ہوتی۔۔۔ سوچ رہی ہوں کہ آپ کے جسمِ اطہر مقدّس سے لگی ہوتی، لیکن میں تو وہ ہوں، مجھے تو وہ بنایا اللہ نے جس کے لیے آپ ﷺ نے آنسو بہائے۔ میں ان آنسوؤں میں سے کسی ایک آنسو کے ذرّے کے ذرّے کا بھی حق ادا نہیں کر سکتی، لیکن آقا یہ بات سچ ہے، محبت مجھے آپ سے ہے۔

ایک ایسی تمنا بھی سینے میں ہے
جس تمنا کا حاصل مدینے میں ہے
یہ بھی جینا بھلا کوئی جینے میں ہے
میں یہاں ہوں، میرا دل مدینے میں
ہم عاشقوں کو سکون کس طرح سے ملے
دل کعبے میں ہے تو جان مدینے میں ہے
میری الفت مدینے سے یوں ہی نہیں
میرے آقا کا روضہ مدینے میں ہے!

مدینے سے مکہ روانہ ہوتے وقت میں طبیعت بے چین بھی تھی، بے یقین بھی اور حیران بھی۔۔۔ یوں لگتا جیسے کوئی خواب ہو، بس خواہش ہوتی آنکھ کبھی نہ کھلے۔ اللہ کریم کی یہ عطا اسلام کے اس عظیم الشان بنیادی رکن کے لیے ہوئی تھی، میری حیرت اب تک نہیں جاتی۔۔۔ بچپن سے جوانی اور پھر شادی تک ماں باپ نے الحمد للہ اچھا کھلایا، پلایا، پڑھایا، لکھایا پہنایا، بہترین جگہ شادی کی۔ شادی بعد شوہر نے والدین سے بڑھ کر محبت اور مان دیا۔ پہلا عمرہ بھی ادا (نانا ابو) نے کروایا۔ میرے ننھیال میں میری والدہ کے سوا سب صاحبِ ثروت ہیں اور حج کے فریضے سے نانا ابو، نانی مرحومہ، چاروں ماموں ان کی زوجات اور خالہ خالو ان کے تین بچے سبکدوش ہو گئے ہیں، الحمد للہ! لیکن ددھیال کا تعلق متوسط طبقہ ہے اور خود ہم بھی۔۔۔ اللہ پاک کا کرم ہوا، ہمارے حج کا بندوبست ہوتے ہی میرے ماموں زاد بھائی اور ان کی اہلیہ کا بھی ہو گیا، ان کی کیٹگری VIP تھی۔ یہ سب حج سے واپسی کے بعد مامی نے بتایا، ماموں زاد بھائی کا پہلے عمرہ ہمارے ساتھ ہی ہوا تھا 2008 میں، دوسرا ان کا شادی کے بعد اہلیہ بچوں کے ساتھ ہوا اور اب ان کے حج کا مبارک سفر 25 دن کا تھا۔

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+

یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں، اِس کہانی میں ہمارے لیے کیا سبق ہے؟

بہانے

آمنہ عبدالباسط

زاہدہ او زاہدہ! "کیا ہوا؟ کیوں شور مچا رہی ہو؟" منّے کو دلیہ کھلاتے ہوئے زاہدہ نے زور سے پوچھا۔

"زاہدہ! کیا تمہارے پاس دھانی رنگ کا دوپٹا ہے؟" ثمرہ کے سوال پہ زاہدہ ایک لمحے کو گڑبڑائیں، لیکن فوراً سنبھلتے ہوئے بہانہ گھڑ دیا۔

"ارے دھانی رنگ کا۔۔۔؟ وہ۔۔۔ کل بہن کو چاہیے تھا تو اسے دے دیا۔"

"اچھا۔۔۔! چلو میں کچھ اور دیکھ لیتی ہوں، شاید میچ کر جائے۔" ثمرہ نے بے دلی سے کہا اور دیوار کے پار غائب ہو گئی۔

زاہدہ اور ثمرہ دونوں پڑوسنیں تھیں اور دیواریں ساتھ ملی ہونے کی وجہ سے دونوں کو جب ضرورت ہوتی تو دیوار سے سر نکال کر بات کر لیتیں۔

زاہدہ ویسے تو بہت اچھی خاتون تھیں، صفائی پسند اور نِک سِک سے تیار رہنے والی۔ گھر بھر کی چہیتی اور ہر کام میں پیش پیش! لیکن ان میں ایک خرابی تھی، کوئی بات ہوتی تو بے دھڑک جھوٹ بول جاتیں۔ یہ سوچے بغیر کہ جھوٹ اور چوری چھپائے نہیں چھپتی۔ جبکہ ثمرہ ہر ایک کے کام آنے والی ہر دم مدد کو تیار رہنے والی خاتون تھیں پھر جھوٹ جیسی بیماری سے کوسوں دور بھاگتی تھیں۔

"آنٹی! ہماری گیند آئی ہے، کیا اندر آ کے لے لوں؟؟"

"یہاں تو کوئی گیند نہیں آئی!"

"ارے آنٹی! ابھی احمد نے زور سے شارٹ ماری تو آپ کے صحن میں ہی آ کے گری ہے۔"

"بھئی یہاں کچھ نہیں ہے، اب دروازہ مت بجانا منّا سو رہا ہے۔ سارا دن ویسے ہی تم لوگ آرام نہیں کرنے دیتے، اوپر سے گیند کے لیے تنگ کرنے آ جاتے ہو!"

زاہدہ نے باہر کھڑے بچے کو لتاڑا اور کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔ اپنے بلاکس سے کھیلتے ہوئے منّے نے ماں کی طرف دیکھا اور دوبارہ اپنے کھیل میں مگن ہو گیا۔

"السلام علیکم! بھابھی کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو؟"

"الحمدللہ، ٹھیک ٹھاک!" دیورانی خوشی سے چہکی۔

"دراصل نعمان کا رزلٹ آیا ہے تو اس کے ابا بچے کی حوصلہ افزائی کے لیے چھوٹی سی دعوت کا انتظام کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کل شام عشائیے میں ضرور آیئے گا۔"

"ارے کیا بتاؤں! میری طبیعت آج کل بہت خراب رہنے لگ گئی ہے۔ سر چکرانے لگتا ہے اور یک دَم آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ مانو ہاتھ پاؤں مڑ جاتے ہیں! ڈاکٹر نے دواؤں کے پلندے کے ساتھ بازاری کھانے سے پرہیز اور مکمل آرام تجویز کیا ہے، اب بتاؤ کیسے آؤں؟"

دعوت کا سنتے ہی زاہدہ کو ایک دَم بیماری سوجھ گئی، جسے فوراً دیورانی کے گوش گزار کر دیا۔

"ارے بھابھی! سادہ سی تقریب ہے، کھانا بھی گھر پہ ہی بنے گا۔ آپ بے فکر رہیں۔" ثمینہ ایک خوش مزاج لڑکی تھی، سو جلدی سے وضاحت کرنا مناسب سمجھا، لیکن زاہدہ کی ٹال مٹول بڑھتی گئی۔

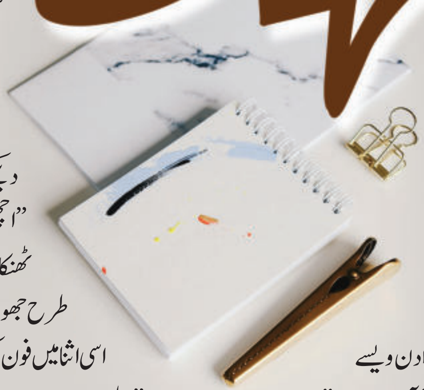

"اللہ آپ کو کامل شفا دے۔ آمین! چلیں میں اصرار نہیں کرتی، لیکن بھابھی! ہم آپ کا انتظار کریں گے، آپ ہماری بڑی ہیں۔ آپ آئیں گی تو سب کو اچھا لگے گا۔ طبیعت اجازت دے تو ضرور آیئے گا۔" دیورانی نے خلوص سے دعا دے کر ایک بار پھر مدعو کرنا چاہا۔

"ٹھیک ہے، کوشش کروں گی۔"

"چلیں، اپنا خیال رکھیں اور منّے کو پیار دیجیے گا۔ اللہ حافظ!"

"او کے، اللہ حافظ!" جیسے ہی بات ختم ہوئی اس نے فون بیڈ پہ اچھال دیا۔

"ہونہہ، دعوت میں جاؤ! پہلے گفٹ دو، پھر وہاں بے تکی باتیں کرو اور ہاتھ جھاڑ کر گھر آ جاؤ۔ خاندان کی واہ واہ بٹورنے کے بہانے ہیں سارے اور کچھ نہیں۔ میں کیوں جاؤں ایسی تقریب میں؟ اچھا ہوا جو بہانہ کر دیا، ورنہ بلاوجہ جانے آنے کی خواری ہوتی۔۔" سوچتے سوچتے وہ تقریباً بڑبڑانے لگی تھی۔

اسکول کا کام کرتے ہوئے منّے نے ماں کی بڑبڑاہٹ سنی اور سر جھٹک کر کام میں مصروف ہو گیا۔

"منّے! کیا ڈھونڈ رہے ہو؟"

"کک کچھ نہیں، الماری میں تولیہ رکھ رہا تھا۔" منّے کو کافی دیر سے سامنے نہ پا کر زاہدہ متفکر ہو کر اندر آئیں تو بیٹے کو الماری کی تلاشی میں مستغرق دیکھ کر پوچھنے لگیں۔ جواباً منّے کا گڑبڑانا ان سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا۔

"بیگم یہاں کچھ رقم رکھی تھی، آپ نے لی ہے؟؟"

"نہیں تو۔۔۔! یہیں ہو گی، غور سے دیکھیں۔ ابھی کل ہی تو دیکھے تھے یہاں۔"

"اچھی طرح دیکھ چکا ہوں، کہیں نہیں ہیں!" اور زاہدہ کا ماتھا ٹھنکا۔۔۔!! ایک دَم منّے کا گڑبڑانا، الماری کی تلاشی اور ہو بہو اسی کی طرح جھوٹ گھڑنا یاد آیا تو فوراً ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کرنے لگیں۔

اسی اثنا میں فون کی گھنٹی بجی تو پریشان سے احسان صاحب فون کی جانب لپکے۔

"ہیلو! احسان صاحب بات کر رہے ہیں؟" دوسری جانب پکارا گیا۔

"جی جی، بول رہا ہوں۔"

"سب خیریت ہے نا؟" احسان صاحب متفکر ہوئے۔

"جی ابھی آتا ہوں۔"

"کیا ہوا؟" زاہدہ ہولائیں۔

منّے کے اسکول سے پرنسپل صاحب کا فون تھا، بلا رہے ہیں!

"دیکھیے احسان صاحب! ہم آپ کی شرافت سے خوب واقف ہیں، اسی لیے آفس بلا کر سمجھا رہے ہیں کہ بیٹے پہ خوب نظر رکھیں۔ موصوف روز اسکول سے کسی نہ کسی بیماری کا بہانہ کر کے غائب ہو جاتے ہیں! کل ان کی والدہ کی طبیعت خراب تھی اور آج یہ والد کے علاج کے لیے پوری کلاس سے رقم اکٹھی کر رہے ہیں، مزید ان کے پاس بیگ میں پہلے سے چند ہزار موجود ہیں! مجھے تشویش ہوئی تو آپ کو زحمت دینا پڑی، اگر آپ سے ذاتی طور پہ ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو میں بھی آپ کو بیمار ہی سمجھتا۔ پرنسپل صاحب کی بات پہ شوہر کی حالت دیکھ کر زاہدہ پر شرم سے گھڑوں پانی پڑ گیا! وہ تمام بہانے، جھوٹ اور چھوٹے چھوٹے الزام آج اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے، جو اس نے منّے کو "منّا" سمجھتے ہوئے اس کی موجودگی میں بنائے تھے۔ ہر بہانہ ہر جھوٹ اس کے ساتھ ساتھ خود اس کے بیٹے اور شوہر کے لیے بھی سزا بن گیا تھا اور وہ اپنا خاندان ذلت میں گرتا ہوا محسوس کر رہی تھی اور ان بہانوں کا پہلا نشانہ اس کا بیٹا بن گیا تھا۔

چھوٹی لڑکی کا بڑا کارنامہ

دانیال حسن چغتائی

رات خاصی خنک تھی۔ مکے کے گلی کوچوں میں کچھ زیادہ ہی سناٹا تھا۔ مکے کے تمام گھروں میں بچے آرام سے میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے، لیکن اسی شہر میں ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں ایک بارہ سالہ بچی بڑی خاموشی سے ایک ناشتے دان میں کھانے کا سامان رکھنے میں مشغول تھی۔ یہ کھانا تیار بھی اسی بچی نے کیا تھا۔ یہ کام وہ بہت پھرتی اور رازداری سے انجام دے رہی تھی۔ دبے پاؤں چلتے چلتے وہ ڈر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ ایسا نہ ہو، کسی کو پتا چل جائے۔ گھر میں سبھی لوگ تو موجود تھے۔ بھائی، بہن اور بوڑھے نابینا دادا جان بھی، جو ذرا سی آہٹ پر چونک کر پوچھنے لگتے تھے۔

کون ہے؟ کیا ہے؟ ایسے میں کسی بات کو چھپانا کتنا مشکل ہو جاتا ہے، وہ سوچنے لگی، لیکن خیر! میں اس راز کو اُس وقت تک اپنے سینے میں چھپا کر رکھوں گی جب تک اس کو چھپانا ضروری ہوگا۔

یہ بارہ سالہ بچی اسماءبنتِ ابو بکر تھی، جس کو قدرت نے اُس روز تاریخ کے ایک عظیم اور اہم راز میں شریک کیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف تھی اور اس کا دل خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ وہ اپنی قسمت پر ناز کر رہی تھی کہ آج اُسے اس شخص کی خدمت کی سعادت ملی ہے جو دنیا کا سب سے معزز اور سب سے نیک انسان ہے، جس کو دوست تو دوست دشمن بھی صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ یہ کام اپنے بابا کے آقا اور پیارے دوست، خدا کے سچے اور آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کی خاطر انجام دے رہی تھی۔

محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام اسما کے نزدیک بہت معتبر اور پیارا تھا۔ اس نام کو لیتے وقت اسما کے بابا حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہمیشہ کہتے تھے: "میری اور میرے ماں باپ کی جان آپ پر قربان۔"

آج بابا ہی نے تو اس کو نہایت رازداری سے بتایا تھا کہ اسما! تم کو یہ معلوم ہے کہ مکے کے کافر میرے پیارے دوست کو نقصان پہنچانے پر آمادہ ہیں، اس لیے آج آدھی رات کے وقت ہمارے آقا، خدا کے حکم سے اپنا گھر اور وطن چھوڑ رہے ہیں۔ آپ مکے سے جا کر غارِ ثور میں رہیں گے، پھر کسی مناسب موقع پر مدینے چلے جائیں گے۔ میں بھی اپنے آقا کے ہم راہ جا رہا ہوں۔

پھر بابا نے پوچھا تھا: "بیٹی! کیا تم اپنے پیارے نبی کی خدمت کرنا چاہتی ہو؟" اسما نے جلدی سے جواب دیا: "کیوں نہیں! میں ضرور کروں گی۔"

تب اُس کے بابا نے کہا تھا: "تو پھر اس وقت تم خاموشی سے توشہ دان میں کھانا رکھ کر باندھ دو اور جب تک ہم لوگ غار میں رہیں، تم ہر روز شام کو آ کر تازہ کھانا پہنچاتی رہنا، لیکن وعدہ کرو کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرو گی۔ اسماء! یاد رکھنا مکے کے کافر شکاریوں کی طرح میرے اور تمہارے آقا، اللہ کے پیارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو تلاش کریں گے، اس لیے یہ کام بہت احتیاط اور ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔"

اسما نے وعدہ کر لیا اور پوری رازداری سے کھانا تیار کر کے توشہ دان میں رکھا۔ اس کو باندھنے کے لیے رسی کی ضرورت تھی، مگر اس وقت رسّی کہاں تلاش کی جائے؟ اسما نے سوچا اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ جلدی سے اُس نے اپنے کرتے کی پیٹی کھولی، اس کو پھاڑ کر دو حصے کیے، اُس سے توشہ دان کو اچھی طرح باندھا اور غار میں پہنچا دیا۔ اسی کو پھاڑنے کی وجہ سے اس بچی کو اللہ کے نبی نے ذات النطاقین یعنی دو دوپٹوں والی کا خوب صورت لقب عطا فرمایا۔

تمام رات مکے کے کافر خُدا کے آخری اور سچے نبی کو تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے دن انھوں نے شہر کی ناکا بندی کر دی۔ ان کے کھوجی اور جاسوس ہر آتے جاتے پر نظر رکھ رہے تھے۔

یہ ننھی اسما کی بہادری اور ہوشیاری ہی تو تھی کہ تین دن تک وہ اسی طرح کھانا تیار کرتی، شام کے دھندلکے میں دُشمنوں کی نظروں سے بچتی بچاتی، غارِ ثور پر جا کر وہ کھانا اُس پیارے اور عظیم انسان کی خدمت میں پیش کرتی رہی، جس کے نام کا کلمہ وہ ہر صبح اُٹھ کر پڑھتی تھی۔ اسما کو تو صرف یہ خوشی تھی کہ اُس کے بابا نے جو مقدّس فرض اُس کے ذمے کیا تھا، اس کو اس نے پوری رازداری اور ذمہ داری سے پورا کیا، لیکن شاید اسے یہ خبر نہ تھی کہ اُس نے تاریخ میں اپنا نام سنہری حروف میں لکھوالیا ہے۔

اس سارے معاملے میں دشمن غار تک پہنچ کر بھی ناکام و نامراد رہا۔ ننھی اسما کو تھپڑ بھی کھانا پڑا، لیکن ہمیشہ ہمیشہ کی کام یابی کو گلے لگا لیا۔

سبحان اللہ!

گونجتی آوازیں

دوسری قسط

امۃ اللہ

شاہین تو چلی گئی، مگر شہزین اپنے رب کے حضور لمحہ لمحہ آزمائش سے گھرے وقت میں اپنے مولیٰ سے دعا کرتی کہ یااللہ! میرے دل کے وسوسوں کو اپنی خشیت اور اپنی یاد بنا دیجیے اور میرے شوق اور ہمت کی چیز کو وہی کر دیجیے جسے آپ اچھا سمجھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ یا اللہ! آپ میرا امتحان نرمی یا سختی غرض جس چیز سے بھی کریں تو مجھے طریقِ حق اور شریعتِ اسلام پر جمائے رکھیے اور یہی سب دعائیں اپنی بہن کے لیے بھی کرتی کہ کاش! شاہین کو بھی باشرع دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

شاہین کے جانے کے بعد شہزین کو اپنی زندگی بہت تنگ لگتی اور وہ چاہتی تھی کہ جلد اس کی پڑھائی مکمل ہو اور وہ کراچی سے مستقل واپس آجائے۔ اس کا کوئی ایسا سفر نہیں تھا، جس میں شہزین نے نماز پڑھ کر خصوصی طور پر اس کے لیے دعا نہ کی ہو۔ جب تک شاہین کا فون نہیں آجاتا، شہزین مسلسل اس کے لیے اللہ سے حفاظت کی دعائیں کیا کرتی۔ جائے نماز کے برابر میں موبائل رکھتی، تاکہ جلد ہی اس کی خیریت معلوم ہو جائے۔ شہزین ابھی مناجات میں مصروف تھی کہ شاہین کی کال آگئی۔ ”ہیلو آپا! میں پہنچ گئی، ٹھیک ہے بعد میں بات کریں گے۔“ شاہین نے بس اتنا کہہ کر کال کاٹ دی۔ چلو اللہ کا شکر ہے اللہ نے حفاظت سے میری شاہین کو پہنچا دیا۔ شہزین نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

❖❖❖

”کیا ہوا شاہین؟“ شاہین کی روم میٹ نے پوچھا۔

”کچھ نہیں یار! بس آپا کی تھوڑی یاد آرہی تھی۔“ شاہین نے کہا۔

”ابھی تو تم آئی ہو اور ابھی ہی آپا کی یاد آگئی۔ ذرا مجھے ان کی پکچر تو دکھاؤ میں بھی تو دیکھوں ذرا تمھاری آپا کیسی دِکھتی ہیں؟“

”وہ تصویر نہیں بنواتیں!“ شاہین نے جواب دیا۔

”کیوں؟“ ارفع نے تجسّس سے پوچھا۔

”کیوں کہ وہ عالمہ ہیں اور وہ مجھے کہتی ہیں کہ عالمہ ہو یا غیر عالمہ کسی کو بھی تصویر نہیں بنانی چاہیے۔ چھوٹے سے چھوٹا گناہ جان بوجھ کر کرنا در حقیقت تمہارے خوب صورت دین کی ناقدری ہے۔ میرے پاس ان کی کچھ تصویریں ہیں جو میں نے ان کی بے خبری میں لی تھیں۔ مجھے آپا کی بہت یاد آتی ہے، اس لیے میں نے ان کی تصویریں اپنے پاس رکھی ہیں، یہ میں نے اس وقت لی تھیں جب وہ سو رہی تھیں۔ وہ تصویروں کے معاملے میں بے حد سنجیدہ اور غضب ناک ہوتی ہیں۔ اسی لیے میں نے اپنے موبائل میں کوڈ لگایا ہوا ہے۔“

”اومائی گاڈ! کیا یہ تمھاری بہن ہیں؟ شاہین تم کس پہ گئی ہو گول گپّا! یار شاہین یہ اتنا مشکل کام کرتے ہوئے بھی کیسے اپنا دوپٹا سنبھالے ہوئے ہیں! شیزنگ! ویری نائس پرسنالٹی!“ ارفع نے تو دیکھتے ہی تعریفوں کے پل باندھ دیے اور شاہین سے اصرار کرنے لگی کہ ان کے بارے میں کچھ باتیں بتائے۔ شاہین نے آپا کے محبت بھرے قصے سنائے اور آخری قصے پر شاہین کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پتا ہے ارفع جب بھی میں وہاں سے رخصت ہوتی ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپا مجھ سے گلے ملنا چاہ رہی ہیں، مگر میں نہیں ملتی کیوں کہ اگر میں ان کے گلے لگی تو وہ خود بھی روئیں گی اور میں بھی رو جاؤں گی۔ اس لیے میں جلد ان کا چہرہ دیکھے بغیر ہی نکل آتی ہوں۔ ہم دونوں ہم عمر ہیں، مگر بچپن سے ہی میں نے انھیں کردار کا بڑا پایا۔ مجھے لگتا نہیں ہے کہ وہ میری بہن ہیں، بلکہ وہ میرا سب کچھ اور میری فرینڈلی مدر ہیں۔ مجھے موم کی یاد نہیں آئی، میری دیکھ بھال اور گھر کی تمام ذمے داریاں آپا نے پوری کیں۔ مجھے پڑھانے کے لیے بھی انھوں نے اپنی زندگی کی اہم ترین ہی نہیں بلکہ نیک اور عظیم خواہشوں کی قربانیاں دیں۔

وہ ایک بہت بڑی رائٹر بننا چاہتی تھیں، مگر موم ڈیڈ کی دیکھ بھال اور میری تعمیر کے لیے انھوں نے خود کو پیچھے ہی رکھا، لیکن میں نے اپنی زندگی میں ان سے آگے محبتوں کے معاملے میں کسی کو نہیں دیکھا۔ دینی تعلیم کی ضخیم کتب کی اسٹڈی کے ساتھ ساتھ گھر میں وہ ہر ہفتہ خواتین کو مسائل سکھاتی ہیں۔ شام میں اپنے کمرے کی حدود میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو قرآن پڑھاتی ہیں اور مہینے میں ایک بار اصلاحی بیان کرتی ہیں اور مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ان کے پاس اتنی ہمت اور حوصلہ آتا کہاں سے ہے اور پھر وہ اپنے کردار میں بھی یگانہ ہیں۔ یقین کرو ارفع! یہاں سے جانے کے بعد موم اگر مجھ سے ایک گلاس پانی کا بھی کہہ دیتی ہیں تو میرا منہ بن جاتا ہے اور آپا اپنی کتاب ہزاروں ہی مرتبہ بند کر کے موم ڈیڈ کی ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔ پتا ہے ارفع! آپا مجھے کہا کرتی ہیں کہ کوئی بھی کام انسان کے لیے تو ناممکن ہے، مگر اللہ کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں اور جو انسان اللہ سے دوستی کر لیتا ہے، اس کے سارے کام اللہ اپنے ذمے لے لیتے ہیں، مگر اس دوستی کی چند شرائط ہیں۔

ارفع جو کافی دیر سے بغور شاہین کی آپا کی باتیں سن رہی تھی، بڑی دل چسپی سے فوراً بولی: ”وہ شرائط کیا ہیں؟“

پہلی شرط: بار توبہ کرنا اور پھر گناہوں کی طرف نہ لوٹنے کا عزم کرنا۔

دوسری شرط: اللہ کے مقرّر کردہ فرائض کو اس طرح ادا کرنا، جس طرح اللہ نے حکم فرمایا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پردہ وغیرہ۔

تیسری شرط: اللہ کے منع کردہ اعمال سے اجتناب کرنا۔ جیسے غیبت، چغلی، جھوٹ، بد اخلاقی، والدین کی نافرمانی وغیرہ

چوتھی اور آخری شرط: اللہ کی راہ میں اپنی سب سے قیمتی اور پیاری شے کو قربان کر کے اس کی محبت کا ثبوت دینا۔

آپا ایک دن بے خیالی میں کہہ رہی تھیں کہ میں تین شرطوں سے تو پار ہو گئی، مگر آخری شرط ابھی باقی ہے، جس سے مجھے گزرنا ہے۔ مگر میرا کہنا یہ ہے ارفع کہ وہ اللہ کے بہت قریب ہیں، کیوں کہ انسان کی سب سے پیاری چیزیں اس کے دل سے گزرنے والی خواہشیں ہوتی ہیں، جنھیں حاصل کر کے وہ اپنی زندگی کی بہاریں محسوس کرتا ہے اور آپا اپنی سب سے پیاری چیز دل کو قربان کر چکی ہیں۔ (جاری ہے)

نیک گمان رکھنے اور بدگمانی سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے، بدگمانی کیسے کیسے روگ لگاتی ہے، یہ تو کہانی پڑھ کے ہی پتا چلے گا۔

بلاعنوان

حمیرا شیخ

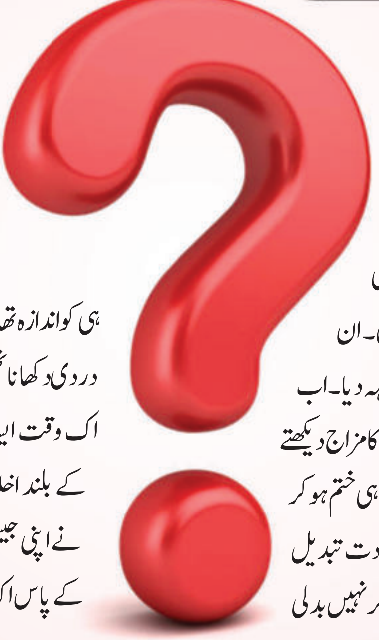

رضیہ بی بی نہ صرف اسکول کی سپروائزر (supervisor) تھیں بلکہ اپنے محلے کی بارعب اور باکردار شخصیت بھی تھیں۔ لوگ اپنے مسائل ان کے پاس لے کر آتے اور بے فکر ہو کر جاتے تھے۔ ان کے لیے نوعمری سے ہی بہت سے رشتے آتے تھے، مگر ان کے بابا جان کی ایک ہی بات، میری بیٹی اپنی پڑھائی مکمل کر لے پھر دیکھیں گے۔ پڑھائی مکمل کر کے وہ ملازمت بھی کرنے لگیں تو اب ان کے بابا جان کو ان کی شادی کی فکر دامنِ گیر ہوئی۔ کئی اچھے رشتے موجود تھے۔ انھوں نے ان میں سے باہر سے پڑھ کر آئے رشید صاحب کا انتخاب کیا۔ خاندان بھی اچھا تھا، اس لیے زیادہ تحقیق سے اجتناب کرتے ہوئے سیدھے نکاح، پھر رخصتی کر دی گئی۔ اب رضیہ بی بی کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا۔

یوں تو رشید صاحب بہت محبت کرنے والے شوہر ثابت ہوئے، مگر ان میں ایک خرابی تھی، وہ بہت جلد بدگمان ہو جاتے اور پھر بتاتے بھی نہیں تھے کہ مسئلہ کیا ہے؟

بس! ناراض ہو جاتے۔ شروع شروع میں رضیہ بی بی کو خود ہی کچھ اندازہ ہوتا تو خود ہی معافی مانگ لیتیں۔ بات رفع دفع ہو جاتی۔ ان ہی سب چیزوں کے چلتے انھوں نے اپنی ملازمت کو بھی خیر آباد کہہ دیا۔ اب وہ خالص اپنے شوہر، گھر اور بچوں کی ہو کر رہ گئیں۔ شوہر صاحب کا مزاج دیکھتے ہوئے زیادہ لوگوں سے ملنا جلنا بھی کم کر دیا اور پھر رفتہ رفتہ بالکل ہی ختم ہو کر رہ گیا۔ اپنی ساری توجہ کے باوجود وہ رشید صاحب کی بدگمانی والی عادت تبدیل نہ کر سکیں۔ بچے بڑے ہو کر اپنی اپنی منزل کے مسافر بن گئے، مگر نہیں بدلی تو رضیہ بی بی کی زندگی! اب تو اکیلا پن بھی کاٹنے کو دوڑتا، نہ کہیں کسی کا آنا تھا نہ کہیں جانا۔ کچھ عرصہ پہلے بابا جان بھی وفات پا گئے تھے۔ میکے کا رستہ بھی بند۔۔۔ ان کے اتنے خلوص اور قربانیوں کے باوجود ہر تھوڑے دن بعد رشید صاحب اپنی بدگمانی اور شک کو بنیاد بنائے کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا رکھتے۔

اب تو بڑھاپا تھا، کچھ عادت کی پختگی کچھ صحت کی خرابی نے ان کے مزاج کو مزید خراب کر دیا تھا۔ ایک دن معمولی سی بات کا بتنگڑ بنا کر وہ تین الفاظ بھی منہ سے نکال دیے، جس کے خوف سے عورت ساری زندگی چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آٹے کی طرح پستی رہتی ہے، مگر اُف کرنے سے بھی ڈرتی ہے۔ جب خوف حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو انسان اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کب کھڑا ہونا سیکھ جاتا ہے، خود اپنے آپ کو ہی پتا نہیں چلتا۔ پہلے پہل تو بہت روئیں، مگر پھر ماضی کے اوراق پلٹتے پلٹتے ان کو احساس ہوا کہ اس ایک شخص کا ساتھ نبھانے کے لیے وہ کیا سے کیا بن گئی تھیں۔ اپنے بابا کے گھر واپس آ گئیں۔ بہت سالوں بعد پھر سے وہ پرانا مکان کھولا تو لوگ ملنے آنے لگے۔ ان کے بابا کی اچھائیاں ان کے کام آئیں۔ محلے والے سارے ہی بہت عزّت اور خلوص سے پیش آئے۔ اور جب یہ پتا چلا کہ وہ اب بابا کے گھر ہی رہیں گی تو لوگوں نے مزید پذیرائی کی۔ محلے کے اسکول کی پرنسپل خود ملنے آئیں، وہ ان کی طالبہ رہ چکی تھیں اور ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔ رضیہ بی بی نے اپنے بچوں کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ اب ان کے پاس وہ سب تھا جو اک عرصہ پہلے ان سے کھو گیا تھا۔

ادھر رشید صاحب کی جب کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہیں رہا تو انھیں احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں، مگر اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیا چگ گئی کھیت! کچھ پچھتاوا اور کچھ تنہائی نے اتنا پریشان کیا کہ باری باری سب بچوں کو بلایا۔ مجبوری میں اپنی حماقت بھی بتانا پڑی۔ ایک ایک کر کے سب سے درخواست کی کہ کوئی ان کے پاس آ جائے یا ان کو اپنے پاس بلا لے، مگر بچے اپنی آزادی کو داؤ پر لگانے کو تیار نہیں ہوئے۔ خصوصاً ان کی حماقت کو جاننے کے بعد تو بالکل بھی نہیں! ان کے مزاج کا سب ہی کو اندازہ تھا، کسی نے بھی اپنا گھر خراب کرنے کا جوکھم نہیں لیا، جس کو زیادہ ہمدردی دکھانا تھی، اس نے کچھ پیسے بھیج دیے اور پھر کنارے ہو گئے۔

اک وقت ایسا آیا جب ان کو پانی پلانے والا کوئی نہیں تھا۔ ادھر رضیہ بی بی کے بلند اخلاق کی وجہ سے لوگ ان کے مزید گرویدہ ہوتے گئے۔ انھوں نے اپنی جیسی بے آسرا لڑکیوں کے لیے بھی کام کرنا شروع کر دیا۔ اب ان کے پاس اک مخلص خاندان بھی تھا، جن سے خون کا رشتہ نہ ہو کر بھی خون کے رشتے سے بڑھ کر تھا۔ وہ تنہا بے گھر کی گئی تھیں، مگر اللہ نے ان کو تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ "جس نے جو بویا، وہ اپنی فصل کاٹ رہا تھا۔" ایک نے سب کچھ کھو کر بھی سب پا لیا تھا اور دوسرے نے اپنا بڑھاپا بھی خراب کر لیا تھا۔

بیوی صرف آپ کے بچوں کی ماں نہیں ہوتی، وہ آپ کا سہارا بھی ہوتی ہے۔ اک بے غرض اور مخلص ساتھی۔۔۔ اس کو تنہا کر کے آپ اپنے تکبر کا شملہ تو اونچا کر سکتے ہیں، مگر اس کی تقدیر نہیں مٹا سکتے۔ ہر بے سہارا کا سہارا اللہ ہوتا ہے۔ سوچ لیں! کہیں آپ اپنے رشتوں میں اپنے تکبر کے شملے کو بچاتے بچاتے اپنے رشتے تو نہیں کھو رہے۔ جاگ جائیں! اس سے پہلے کے اندھیرا آپ کا مقدّر بن جائے۔۔۔!!

اس مضمون کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 دسمبر ہے۔ صفحہ 41 بھی دیکھیے

چلو ہن مٹی پاؤ

انیسہ عائشہ

"چلو ہن مٹی پاؤ" اس جملے نے سار یہ کے بڑھتے قدموں کو ساکت کر دیا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر آواز کے مرکز کی تلاش میں سامنے دیکھا، جہاں سات سالہ روشان ننھی لائبہ اور اریبہ کی صلح کروا رہا تھا۔ یکایک اس کے اندر آندھی اٹھی، اس کے ذہن کے دریچے وا ہوتے چلے گئے اور اسے لال حویلی میں لا پہنچایا۔

◆◆◆

اعظم آباد کے گاؤں میں "لال حویلی" نامی پُر شکوہ عمارت میں اماں بی اپنے چھ عدد بیٹوں کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔ حویلی میں اتنے کمرے، ڈیوڑھیاں اور دالان تھے کہ اجنبی کو ان میں گم ہو جانے کا خدشہ رہتا۔ چھ بیٹوں کے آگے بچوں اور بچیوں اور اماں بی کے پاس آنے والے ضرورت مندوں کے ہجوم کی وجہ سے حویلی میں ہر وقت میلے کا سا سماں رہتا تھا۔ اگرچہ سب کے پورشن الگ الگ تھے، مگر کھانا پینا اور سب بھائیوں کا کاروبار مشترک تھا۔ سب آپس میں محبت، ہنسی خوشی اور باہمی میل جول سے رہتے تھے۔ لوگ تعجب کا اظہار کرتے کہ ابھی تک اکٹھے رہتے ہیں، کمال ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ اس گھر میں لڑائی جھگڑے، چپقلشیں یا شکایتیں نہیں ہوتی تھیں، بلکہ بروقت قابو پا لینے کی وجہ سے گھر میں سکون کی فضا قائم رہتی تھی۔ یہ سب اماں بی کی شخصیت کا مرہونِ منّت تھا۔ وہ فریقین کی بات سن کر اپنا مخصوص تکیہ کلام "چلو ہن مٹی پاؤ" دہراتیں اور صلح کروا دیتیں اور اس کے ساتھ ہی وہ باہمی شکوہ شکایت، بدگمانی، بغض، حسد، منافرت کو دفنا کر ان کے درمیان محبت، اخوت، مروت کے پھولوں کا چھڑکاؤ کر دیتیں۔ یوں ان کی حویلی میں خوش حالی راج کرتی تھی۔

سار یہ یہ مناظر اور دادی کا تکیہ کلام بچپن سے سنتی اور دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ اب وہ آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی۔ فرح اس کی ہم جماعت اور دوست تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے خاندانی لڑائی جھگڑوں کی داستان سناتی، وہ ان سے بہت نالاں رہتی تھی۔ وہ اسے ملوانے اماں بی کے پاس لے آئی۔ وہ سار یہ کی دادی اور ان کے گھر کا ماحول دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ وہ بار بار اپنی حیرانی کا اظہار کر رہی تھی اور سار یہ اس کی حیرانی پہ مسکرا کر رہ گئی۔

◆◆◆

آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ شکیلہ اور رضیہ چچی کی آپس میں لڑائی ہو گئی تھی۔ اماں بی نے ان دونوں کو اپنے کمرے میں بلایا۔ دونوں کی بات سنی پھر نرمی سے انھیں سمجھایا اور مخصوص تکیہ کلام دہرایا۔ تھوڑی ہی دیر تک دونوں چچیاں خفا خفا رہیں، پھر شرمندہ شرمندہ سی ہاتھ ملاتی صلح کرتی دکھائی دیں تو سار یہ اماں بی کے پاس چلی آئی اور ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے بولی: دادی اماں! آج تو مجھے یہ راز بتا ہی دیں کہ آپ یہ کیوں کہتی ہیں کہ "چلو ہن مٹی پاؤ"۔ اماں بی نے اس کے ماتھے پہ پیار کیا اور بولیں: "اس جملے کا راز یہ ہے کہ نفرت اور لڑائی پر مٹی ڈال کر اسے دفن کر دو۔ سار یہ میری بیٹی! یاد رکھو کہ اگر غصے اور نفرت کو دفن نہ کیا جائے تو یہ برائیاں اتنی پھیل جائیں گی کہ ہمارے وجود پر ان کا ہی قبضہ ہو کر رہ جائے گا اور یہ ہم سے ہمارا اپنا آپ چھین لیں گی۔ اس کے برعکس اگر ہم لڑائی جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے غلطی مان لیں اور ہاتھ بڑھانے میں پہل کر لیں تو اطمینان اور محبت ہمیں گھیر لے گی، اب یہ فیصلہ ہمارا اپنا ہے کہ ہمیں کون سی راہ چننی ہے۔" اور سار یہ نے ان کی بات سن کر سمجھ داری اور متانت سے سر ہلا دیا۔

◆◆◆

اماں بی کی وفات کے ساتھ ہی ان کا مقولہ "چلو ہن مٹی پاؤ" بھی گویا دفن ہو کر رہ گیا۔ کچھ ہی عرصے بعد سب بھائی الگ الگ ہو گئے تھے۔ یوں ہی وقت گزرتا گیا۔ سار یہ بھی بیاہ کر "شایان ولا" چلی آئی۔ شادی کے بعد وہ نچلے پورشن میں آئی تو اس کی جٹھانی اوپری پورشن میں شفٹ ہو گئی۔ پورشن الگ ہونے کے باوجود ان کا کچن مشترکہ ہی تھا۔ اس کی جٹھانی ثوبیہ کی عادت تھی کہ وہ ہر ایک کام میں نکتہ چینی کرتی تھی اور سار یہ کو اس کی یہ عادت بالکل بھی پسند نہیں تھی۔ وہ زیادہ تر خاموش رہ کر اس کی باتوں کو نظر انداز کر دیتی۔ یوں ان کا گزارا ہوتا رہا، مگر بچوں کی آمد اور ان کے بڑے ہوتے ہی معاملہ دوسری صورت اختیار کر گیا تھا کہ ثوبیہ بچوں کے ساتھ درشتی سے روک ٹوک کرتی اور ڈانٹتی نظر آتی تو سار یہ سے رہا نہ جاتا، وہ اپنی ذات کے معاملے میں اسے برداشت کرتی آئی تھی، مگر اپنے اولاد کے ساتھ یہ سلوک اس سے قطعاً برداشت نہ ہوتا۔ آج بھی یوں ہی ہوا تھا، جب ثوبیہ نے اپنی بیٹی لائبہ اور سار یہ کے بچوں ذوہان اور اریبہ کو لان کی مٹی سے کھیلتے دیکھا تو انھیں اونچی آواز میں جھڑکا۔ اس کی بلند آواز سن کر سار یہ بھی چلی آئی اور پھر بچوں سے شروع ہونے والی لڑائی خواتین کی زوردار لڑائی پہ ختم ہوئی، اس دوران میں بچے سہمے سہمے اپنی ماؤں کو دیکھتے رہے۔ دونوں ماؤں نے اپنے بچوں کو سختی سے ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیا تھا۔ دونوں خواتین نے آپس میں قطع تعلق کر لیا تھا۔ گزرتے گزرتے کئی دن ہو چلے تھے۔ سار یہ کو بارہا ضمیر کی خلش نے احساس بھی دلایا کہ ان کے درمیان بحث اکثر ہوتی رہتی تھی، مگر قطع تعلّقی اور اس قدر طویل دورانیے کی لڑائی کبھی نہ ہوئی تھی، مگر اس کی انا آڑے آ رہی تھی۔ بچے بھی بجھے بجھے سے تھے۔ دوپہر کے وقت وہ سو کر اٹھی تو اسے بچوں کے کمرے میں سناٹے کا احساس ہوا تو وہ انھیں دیکھتے دیکھتے لان کی طرف چلی آئی۔ لان کے منظر نے اس کے بڑھتے قدموں کو ساکت کر دیا تھا، جہاں کھڑا ذوہان اپنے بڑے ہونے کا فرض نبھاتا اپنی چھوٹی بہن اور چچی زاد کے درمیان صلح کروا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ بڑے مدبرانہ انداز میں نصیحت بھی جاری تھی۔ دیکھو! اچھے بچے لڑائی نہیں کرتے، لڑائی سے شیطان خوش ہوتا ہے، اب لڑائی پہ مٹی ڈالو اور شیک ہینڈ کرو اور اس کے جملے نے سار یہ کو ماضی میں لے جا پہنچایا تھا، جہاں اماں بی کی آواز اس کو جھنجھوڑے جا رہی تھی۔ سار یہ بیٹا میں نے تو ہمیشہ "چلو ہن مٹی پاؤ" کہہ کر لڑائی ختم کرنے کا سبق سکھایا تھا، یہ تم نے نفرتوں کو خود پر حاوی کرنے کا سبق کہاں سے سیکھ لیا۔ کافی دیر ماضی میں کھوئے رہنے اور دادی اماں کو یاد کر کے بہتے آنسوؤں کو پونچھتی اک عزم سے اٹھی تھی۔ سامنے تینوں بچے ہنسی خوشی کھیل رہے تھے، وہ ان کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے کچن میں چلی آئی۔ فروٹ ٹرائفل کو باؤل میں ڈالتی اوپری سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ آخری سیڑھی پہ قدم رکھتے اس نے پلٹ کر دیکھا، اسے یوں محسوس ہوا جیسے اماں بی دور کھڑی مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی ہوں۔ اس نے طمانیت بھری، سانس بھری اور اک سکون کی لہر اس کے وجود میں پھیلتی چلی گئی۔

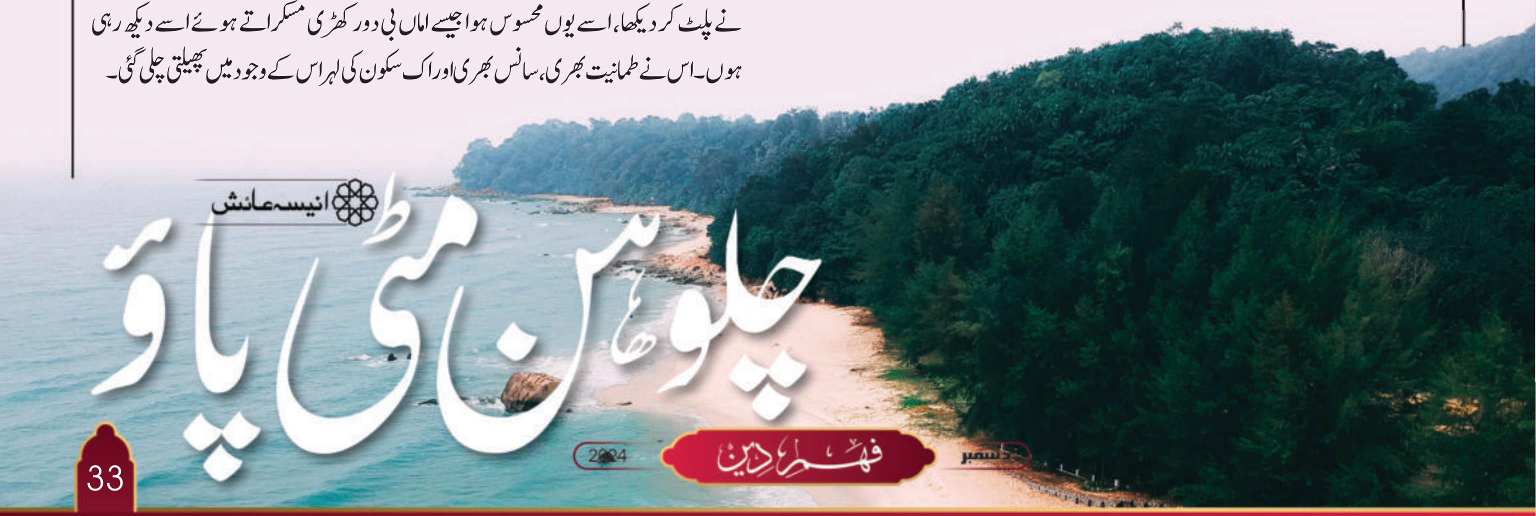

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

سستی روٹی پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

5 روپیہ صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

اور پھر یوں ہوا۔۔۔

ڈاکٹر الماس روحی

ایک دل فریب گاؤں کا قصہ ! اور اس قصے میں ہمارے لیے کئی سبق ہیں

یہ گاؤں پھول پور تھا، جہاں کے لوگ بہت تندرست و توانا نظر آتے تھے۔اس گاؤں میں رنگ برنگے، طرح طرح کے چہار طرف پھول کھلتے تھے۔گلاب موتیا، موگرا، سورج مکھی، سدابہار، رائے بیل، رات کی رانی، چمپا چمبیلی جیسے پھولوں کی خوش بو ہر طرف بکھری رہتی تھی۔ہر وقت بہار کی تازہ ہوا سے یہاں کے پھول خوشی سے لہلہاتے تھے۔سارا گاؤں شگفتہ تر و تازہ دکھائی دیتا تھا۔اس گاؤں میں ایک خوب صورت نہر تھی،اس نہر کے ارد گرد گھنے گھنے آم، سیب، پیپل، نیم کے درخت بھی لگے تھے۔نہر کنارے صبح سویرے فاختائیں بیٹھ کر چہچہاتی تھیں۔گاؤں پھولوں اور پودوں سے بھرا ہوا تھا۔نرگس، گلاب، یاسمین، جعفری بارش میں رنگ رنگ کے پھول ہر لحہ دلوں کو اور لبھاتے تھے۔درخت قد آور گھنے تھے۔ان کی شاخیں ایک دوسرے پر گرتی تھیں۔ان درختوں پر چھوٹے بڑے پرندے اپنی اپنی بولیوں میں خدا کی حمد و ثنا صبح و شام کرتے تھے۔

صبح کی ہوا گاؤں میں مولسروں کے پھولوں کے جگہ جگہ ڈھیر لگا دیتی تھی۔دوسرے علاقوں سے قطار میں اُڑتے پرندے اس گاؤں کی زینت بن جاتے تھے۔چھوٹی بڑی تتلیاں پیلی، نیلی، سرخ، چمکیلی اپنے پروں پر دھنک کے رنگ سجائے پورے گاؤں میں گھومتی اڑتی پھرتی تھیں۔بچے تتلیوں کے پیچھے دوڑتے، مگر وہ ہاتھ نہ آتیں، پھولوں پر منڈلاتی یہ تتلیاں پھولوں کا ٹھنڈا میٹھا رس چوستیں اور اُڑ جاتی تھیں۔کچے پکے گھروں میں رہنے والے گاؤں کے یہ لوگ خوش رہتے تھے۔ان کی صحت دیکھ دوسرے گاؤں والے رشک کرتے تھے، پھر یوں ہوا اچانک گاؤں میں لوگ بیمار رہنے لگے۔ہر شخص ہاتھ پیروں میں درد کی شکایت کرتا۔چند ہی دنوں میں اس کی انگلیاں ٹیڑھی ہو جاتیں، بینائی کم زور ہو جاتی، چیزیں صاف نہیں دکھائی دیتیں، یوں ہر شخص چشمہ پہننے پر مجبور ہوا۔دانت گرنے اور بال جھڑنے لگے۔بچہ، بوڑھا، جوان، مرد، عورت ہر ایک کے بال تیزی سے سفید ہونے لگے۔بچے، بوڑھے، جوان، سب کم زور لاغر دکھائی دینے لگے۔گاؤں کے سارے منظر بھی ماند پڑ گئے، درختوں کے پتے جھڑنے لگے، پھول پودے سوکھ گئے، پانی اور کھاد کے باوجود پودے اب ہرے بھرے نظر نہیں آتے تھے۔گاؤں میں دور دور تک اب کہیں بھی پھول دکھائی نہ دیتے۔یہ گاؤں پھولپور کم اجاڑ پور زیادہ نظر آتا تھا۔بدرالدین کسان کا بیٹا تھا احمد، پڑھا لکھا انسان تھا۔اس نے سائنس کا علم حاصل کیا تھا۔تحقیق اور جستجو کی اسے بچپن سے عادت تھی۔اسی عادت نے ایک روز اسے سائنس دان بنا دیا تھا۔اس نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گاؤں پھولپور میں ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ بنا رکھی تھی۔اس کے اس کمرے میں طرح طرح کے تیزاب (ایسیڈ، کیمیکل) موجود تھے۔رنگ رنگ کی بوتلیں اس کے آس پاس رکھی رہتی تھیں۔گاؤں کے دوسرے لوگوں کی طرح اسے بھی بڑا سا چشمہ لگ چکا تھا، بال سفید ہو گئے اور اس کی انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں۔وہ اپنے باپ کی طرح کم زور، لاغر اور سن رسیدہ دکھائی دینے لگا۔اس گاؤں کے بڑے بوڑھوں کا کہنا تھا کسی نے ہم میں سے اپنے گاؤں پر اور اپنی صحت و توانائی پر غرور کیا ہوگا، اس لیے ہم سب کو یہ سزا ملی ہے۔یہ لوگ اس مسئلے کے حل کے لیے گاؤں کے مولانا کے پاس مسجد گئے اور مشورہ کیا۔مولوی صاحب نے سب کے لیے استغفار کا وظیفہ تجویز کیا۔اب ہر شخص اپنے گناہ سے توبہ کر رہا تھا اور استغفار پڑھ رہا تھا، ادھر احمد کا خیال تھا کہ گاؤں کے لوگ پاک صاف نہیں رہتے، اس لیے یہ وبا کی طرح مرض پھیل گیا ہے، وہ لوگوں کو صاف ستھرا رہنے کی تلقین کرتا۔" صفائی نصف ایمان ہے۔ہمارے اسلام میں ظاہری پاکیزگی سے مراد اپنے جسم، لباس، اور رہائش کی صفائی ہے۔

اس وبا سے بچنا ہے تو ہاتھ دھو کر کھانا کھانا چاہیے اور روز نہانے دھونے کا اہتمام کرنا چاہیے۔"اس کی باتوں نے بھی گاؤں کے لوگوں پر اثر کیا۔اب گاؤں کے لوگ صاف ستھرے رہتے اور چلتے پھرتے استغفار پڑھتے رہتے۔ایک دن احمد نے اپنی تجربہ گاہ میں گاؤں کے ہر پھول، ہر پودے پر تجربہ کیا۔کئی دنوں کی مشقت کے بعد ایک حقیقت سامنے آئی، اس پھول پور گاؤں میں کچھ پودے ایسے بھی تھے جو اس گاؤں کے نہیں تھے، اس نے سوچا یہ یقیناً وہ پودے اور پھول ہیں، جن کے بیج اور ڈنڈیاں دوسرے علاقوں کے پرندے اپنی چونچوں، پنجوں سے پکڑ کر لے آتے ہیں، اس نے کئی دنوں تک پھر ان پودوں پر ریسرچ کی اور ان کی خاصیت جاننے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ اس میں سے ایسے پودے بھی ہیں جو فضا کو زہریلا بنا رہے ہیں اور ایسے پھول بھی تھے، جن سے ہوا ٹکرا کر انسانی صحت کو متاثر کر رہی تھی، لہٰذا اس نے گاؤں والوں کو اکٹھا کیا اور ایسے پودے اور پھول اُکھاڑ کر گاؤں سے باہر پھینکنے کو کہا، جن سے ان سب کو نقصان پہنچتا تھا۔گاؤں والوں نے احمد کی بات پر عمل کیا اور لوگ پھر سے صحت مند ہو گئے اور چند ماہ بعد گاؤں پھر پھولپور بن گیا۔بزرگوں کا کہنا تھا کہ اللہ نے توبہ قبول کر لی اور احمد کے ذریعے گاؤں والوں کو اس مشکل سے نکالا، وہ اللہ کے شکر گزار تھے۔احمد نے ان کے دل جیت لیے تھے کہ اب پھر سے پھولپور گاؤں میں پھول ہی پھول تھے، خوش بو تھی اور صبح و شام پھولوں پر تتلیاں منڈلاتی رہتی تھیں۔

مشکل الفاظ	معانی
قطار	لائن
مانند	طرح
اکٹھا	جمع
تجویز	مقرر
ایمان	عقیدہ
خاصیت	خوبی

مشکل الفاظ	معانی
زینت	سجاوٹ
اہتمام	انتظام
وظیفہ	ورد
تلقین	تاکید
نصف	آدھا

انوکھے دوست

تنزیلہ احمد

طوفانی بارش نے پورے شہر کا نظام درہم برہم کر ڈالا تھا۔ گو شہر میں نکاسی آب کا نظام جدید اور فعال تھا، مگر۔۔۔ مسلسل بارہ گھنٹوں سے جاری موسلادھار بارش نے جدید نظام پر پانی پھیر دیا تھا۔ ندی نالے کا منظر پیش کرتی شہر کی مرکزی شاہراہ پر وہ اپنے عملے کے ساتھ مل کر تن دہی سے امدادی کاروائی میں جتے ہوئے تھے۔

"ٹوبو! مجھے لگتا ہے تم سست پڑنے لگے ہو۔ بوڑھے ہوتے جا رہے ہو شاید۔۔۔" پینی نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔

"اوہ نہیں! یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔ بوڑھا اور میں؟ ہو ہی نہیں سکتا۔" ٹوبو نے اس کی ہنسی اڑائی۔

"اچھا! اگر یہ بات ہے تو پھر مسئلہ حل کرنے میں اتنا وقت کیوں لگ رہا ہے؟" پینی نے پوچھا۔

"بہت اچھا سوال! ویسے یہ سوال تمہیں خود سے پوچھنا چاہیے۔ تمہاری سمجھ بوجھ محدود ہو گئی ہے کیا؟ تم جیسے مجھے صلاح دے رہی ہو، میں ویسے ہی تو کر رہا ہوں۔" ٹوبو کے کہنے پر پینی اِک لمحے کے لیے لاجواب ہو گئی۔ اگلے چند منٹ اس نے نئے رُخ پر سوچتے ہوئے گزارے اور پھر ٹوبو نے اس کا قہقہہ اپنے اندر گونجتا سنا۔

"چلو! پھر دنیا کو دکھا دیں کہ ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔" وہ اِک نئے عزم سے بولی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عملے اور سر پر چکراتے اُڑن کھٹولے کو ضروری سگنل بھیجے۔ اُڑنے والی گاڑیاں سڑک پر چلنے والی گاڑیوں کی جگہ لے چکی تھیں۔ پینی ازراہِ مزاح اڑنے والی گاڑیوں کو اڑن کھٹولے کہتی تھی۔

یہ عہدِ جدید کا اک خوب صورت شہر تھا۔ یہاں رہائشی کالونیوں سے زیادہ تجربہ گاہیں تھیں۔ اکیسویں صدی کی چار دہائیاں گزر چکی تھیں۔ نئی ٹیکنالوجی کے تقاضوں کے عین مطابق بسائے گئے اس شہر میں قابل سائنس دان، پروفیسر، ڈاکٹر اور روبوٹس کی پوری فوج رہتی تھی۔ ایک بلند و بالا عمارت میں ڈاکٹر طیبہ کی رہائش تھی۔ وہ کئی برسوں سے مصنوعی ذہانت پر کام کر رہی تھی۔ مصنوعی ذہانت کو انسانی زندگی بہتر بنانے کے لیے استعمال کرنا ڈاکٹر طیبہ کا مقصدِ حیات تھا۔ اس نے تحقیق اور تجربے میں برسوں گزارے اور بالآخر دو غیر معمولی ساتھی تیار کرنے میں کام یاب ہو گئی۔ ایک ٹوبو اور دوسری پینی۔۔۔ ٹوبو، مصنوعی ذہانت کا حامل ایک درمیانی جسامت کا چست روبوٹ تھا۔ جب کہ پینی درحقیقت ٹوبو کا دماغ، یعنی مصنوعی ذہانت تھی۔ ڈاکٹر طیبہ نے پینی کو ایک طاقت ور کمپیوٹر سسٹم میں ڈیزائن کیا تھا۔ وہ سیکھنے سمجھنے، حکمتِ عملی بدلنے، خود میں بدلاؤ لانے اور انسانوں کے ساتھ مختلف زبانوں میں گفتگو کرنے کی صلاحیت سے لیس تھی۔ ٹوبو کا دماغ یعنی پینی، الوگرتھم اور اعصابی روابط کا ایک پیچیدہ نظام تھا۔ اس کی بدولت وہ پہلے سے موجود معلومات کی بنا پر بروقت کارروائی کر سکتی تھی، بلکہ نئی معلومات اکٹھی کر کے اپنا لائحہ عمل بھی بدل سکتی تھی۔ جیسے ہی پینی نے سیکھنا سمجھنا شروع کیا، اس نے علم کو کسی اسفنج کی طرح اپنے اندر جذب کرنا شروع کر دیا۔ اس نے سائنس اور ریاضی کے پیچیدہ قانون سمجھے اور مسائل حل کیے۔ کئی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ یہاں تک کہ خود میں مزاح کا احساس بھی پیدا کرنے میں کام یاب رہی۔

ٹوبو روبوٹ پینی کا بھروسا مند ساتھی تھا۔ اس کی چستی اور فوری ردِّ عمل کی صلاحیت پینی کے تجزیات اور سمجھ بوجھ کی بھرپور عکاسی کرتی تھی۔

دراصل ہوتا یہ تھا کہ سڑک پر لگے سینسر پانی محسوس کرتے ہی نکاسی آب کے راستے کھول دیتے تھے۔ یوں بارش کا پانی زیرِ زمین نالیوں سے ہوتا مختلف جگہوں پر بنے ڈیم میں محفوظ ہو جاتا۔ بعد ازاں یہ پانی خاص عمل سے گزار کر انسانی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے کام آتا تھا۔ پانی جمع ہو جانے کی بدولت عمارات کے تہ خانوں اور زیریں منزل پر واقع تجربہ گاہوں اور روبوٹ تیار کرنے والے کارخانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

امدادی کاروائی جاری تھی۔ پینی نے کچھ ہی دیر میں تجزیہ کر لیا تھا کہ طوفان کے باعث سڑک پر گرنے والے درختوں کی وجہ سے سینسر متاثر ہو چکے ہیں۔ تیز ہواؤں نے درختوں کو گرا دیا، جو حادثاتی طور پر سڑک پر نصب خود کار سینسر سے جا ٹکرائے۔

"ٹوبو! ہمیں ذرا تیزی سے کام کرنا چاہیے۔ سینسرز بحال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ گرے ہوئے تمام درختوں کو راستے سے ہٹایا جائے۔ شہر سیلابی صورتِ حال کی زد میں ہے۔" پینی بولی تو اس کی آواز میں بے چینی تھی۔

بھاری درختوں کو احتیاط سے سڑک سے اٹھانے کے لیے ٹوبو نے اپنے روبوٹک بازوؤں کا خوب استعمال کیا۔ وہ درخت اٹھاتا اور اس کے ساتھی ان درختوں کو دوسرے مقام پر منتقل کرتے جاتے۔ پینی قدم بہ قدم ہدایت دیتے ہوئے ٹوبو کی رہ نمائی کرتی رہی۔ سبھی درخت ہٹانے کے بعد بھی وہ سینسر بحال کرنے میں ناکام رہے تھے۔ افسوس!

انھیں پریشانی نے گھیر لیا۔ پینی نے جلدی جلدی صورتِ حال کا تجزیہ کیا اور ڈاکٹر طیبہ کو سگنل بھیجا۔

"ڈاکٹر! مجھے لگتا ہے کہ بیک اینڈ پر کوئی مہلک وائرس سسٹم پر حملہ آور ہوا ہے۔ شاید طوفان کی آڑ لے کر شہر کو بھاری نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں سے معاملہ صاف ہونے کے باوجود سیلابی پانی شدّت پکڑتا جا رہا ہے۔" پینی نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کچھ دیر پہلے ہی مجھے اس کا ادراک ہوا ہے۔ میں بیک اینڈ پر ٹیم کے ساتھ سسٹم پر کام کر رہی ہوں۔ تم نکاسی آب کے متبادل حل ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو! کسی بھی صورت میں سیلابی ریلا شہر کے شمال میں بڑی تجربہ گاہ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔" ڈاکٹر طیبہ نے عجلت میں کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

دھیرے دھیرے وقت گزرتا جا رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سینسر بحال ہو جانے پر جب تیزی سے پانی زیرِ زمین نالیوں پر دباؤ بڑھائے گا تو اس سے بجلی کی زیرِ زمین فائبر متاثر ہونے کا بھی خدشہ بھی پید ہو سکتا ہے۔ پینی

اور ٹوبو اپنی روبوٹس کی ٹیم کے ساتھ شمال کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"اک بُری خبر ہے، تاحال وائرس کو ختم نہیں کیا جاسکا اور تو اور پانی کو شمال کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے جو آہنی رکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں، ریلہ اسے پار کر چکا ہے۔" پینی بڑبڑائی۔

"شہر کو بچانے کا مطلب ہے ہم سب کو اور ہمارے مستقبل کو بچانا۔ ناقابلِ تلافی نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹا موٹا نقصان برداشت کر لینا چاہیے۔" پینی نے سرگوشی کی تو ٹوبو ٹھٹک گیا۔

"تم کیا کرنے والی ہو، دیکھو! یہ کوئی سائنسی فارمولا نہیں بلکہ پانی ہے اور اتنا پانی ہے کہ اسے ہوا میں بھی نہیں اڑایا جاسکتا۔" ٹوبو کے کہنے پر پینی مسکرا دی۔

"واہ! تم نے تو مجھ سے بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ پانی کو ہوا میں اڑایا جاسکتا ہے، یہ اچھی صلاح دی۔"

"ہاں! مگر اتنے زیادہ پانی کو۔۔۔؟" ٹوبو کہتے کہتے رُک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ پینی کی مصنوعی ذہانت اور تخلیقی صلاحیت سے وہ کافی کچھ سیکھ رہا ہے۔ اس کے پاس پینی کی صورت میں دماغ کے علاوہ مصنوعی ذہانت کے اک سافٹ ویئر کی صورت میں دل بھی تھا۔

"کم از کم دو تین حل ایک ساتھ تو آزمائے جاسکتے ہیں نا۔" پینی بولی اور ساتھ ہی تیزی سے کچھ حساب کتاب کرنے لگی۔

"میری لوکیشن پر چھوٹے روبوٹس کی فوج فوری بھیجی جائے۔" اس نے حکم دیا تھا۔

"ہاں یہ اچھا رہے گا۔ چھوٹے روبوٹ تنگ جگہوں پر باآسانی جاسکتے ہیں۔ وہ زیرِ زمین خطرات کا پتہ لگائیں گے اور امداد فراہم کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔" ٹوبو نے اس کی تائید کی۔

تبھی تیز الارم کے ساتھ سرخ روشنی شہر کی لکیرِ اُفق پر جگمگانے لگی۔

"خطرہ خطرہ۔۔۔ سیلابی ریلہ تیزی سے شمال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ درخواست کی جاتی ہے کہ امدادی کاروائی میں جتنے بھی روبوٹس خطرے کے مقام سے دور رہیں۔ تجربہ گاہ میں پانی داخل ہو جانے کی صورت میں خوف ناک دھماکے سے جانی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔" یہ خودکار سسٹم کی آواز تھی جو انھیں متنبہ کر رہا تھا۔

"جہاں رکاوٹ کھڑی کی گئی ہیں، وہاں مصنوعی بادل بھیجے جائیں۔ وہ اپنی حرارت خارج کر کے زیادہ سے زیادہ پانی جذب کر سکیں گے۔" پینی نے بہ عجلت حکم صادر کیا اور "او کے" سنتے ہی اپنی سوچ کا رُخ دوسری جانب موڑ دیا۔

اسی اثنا میں چھوٹے روبوٹس کی فوج خفیہ راستے سے ہوتے ہوئے زمین کے نیچے پہنچ چکی تھی۔

"ان پوائنٹس کی نشان دہی کی جائے، جہاں سے پانی اور بجلی کی پائپ لائن کو حادثے کی صورت میں کم سے کم نقصان پہنچے۔" وہ تیزی سے بولی۔ کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے اسکرین پر ان جگہوں کی نشان دہی کر دی گئی تھی۔

اس نے اگلا حکم صادر کیا تو ٹوبو نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"ایسامت کرو یہ ٹھیک نہیں۔"

"میں جانتی ہوں کیا ٹھیک ہے کیا نہیں۔" پینی کی آواز میں لچک نہ تھی۔

"تم ایسا کرنے کا کیسے کہہ سکتی ہو۔" وہ زِچ ہوتے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر بعد گونجنے والے دھماکے نے انھیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"ہم جتنی بھی ترقی کر لیں، مصنوعی ذہانت اور ٹیکنالوجی کا سہارا لے لیں، قدرت کے نظام کی لپیٹ میں آنے سے نہیں بچ سکتے۔ دراصل ہم قدرت کے نظام سے انحراف کر بھی نہیں رہے۔ ہم تو مصنوعی ذہانت سے آسانی پیدا کرنے اور مددگار بننے کی اپنی سی سعی کر رہے ہیں۔" شہر کی ہر بڑی عمارت پر نصب ڈیجیٹل سکرین پر ڈاکٹر طیبہ کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ شہر بھر میں ان کی آواز گونج رہی تھی۔

"ہمارے معزّز شہریوں کو یہ جاننے کا حق ہے کہ ایک دشمن وائرس نے ہمارے مدر کمپیوٹر سسٹم کو تباہ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ سبھی سسٹم کو ہیک کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ہم نے وائرس کے ماخذ کو ٹریک کیا اور اسے ختم کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔" یہ بتاتے ہوئے ڈاکٹر طیبہ مسکرا دیں۔

"اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم سب پینی، یعنی میری تخلیق، مصنوعی ذہانت کے اک شاہ کار کے تہ دل سے شکر گزار ہیں، جس نے نازک صورتِ حال کا درست تجزیہ کیا اور ہچکچائے بنا بروقت فیصلہ لے کر شہر کو بڑی تباہی سے بچایا۔ ٹوبو اور دوسرے روبوٹ پر مشتمل ٹیموں کا بھی بہت شکریہ، جنھوں نے امدادی کاروائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔" شہر سے دوران سب نے ڈاکٹر طیبہ کی آواز سنی تھی۔ پینی بے ساختہ مسکرا دی۔

"ہاں، ٹھیک ہے، تم ہیرو بن گئی ہو۔" ٹوبو نے اسے چھیڑا۔

پینی نے چھوٹے روبوٹس کو حکم دیا تھا کہ جن جگہوں کی نشان دہی کی گئی ہے، وہاں دھماکا خیز مواد نصب کر دیا جائے۔ مصنوعی بادل ایک حد تک پانی جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ صرف ایک جزوی حل تھا۔ مستقل حل تھا پانی کو زیرِ زمین پہنچانا۔ پینی کے کہنے کے عین مطابق شمال کی طرف دھماکا خیز مواد سے سڑک کا کچھ حصہ تباہ کر دیا گیا تھا۔ اس طرح سیلابی ریلا تجربہ گاہ تک بڑھنے کی بجائے زمین کے اندر گرنے لگا۔ وائرس ختم ہوتے ہی خودکار سینسر چلنے لگے تھے۔ کچھ ہی دیر میں سڑکوں پر جمع شدہ پانی زیرِ زمین نالیوں سے ہوتا ہوا ڈیم تک پہنچنے لگا تھا۔ یوں پینی نے معمولی نقصان کر کے ناقابلِ تلافی نقصان سے شہر کو بچا لیا تھا۔

روبوٹس کی ایک ٹیم سڑک مرمت کرنے میں مصروف تھی۔ سورج غروب ہوا تو اس کے ساتھ ہی افراتفری اور مہم جوئی سے بھرا طوفانی دن بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ انھوں نے ثابت کر دیا تھا کہ دوستی اور ٹیکنالوجی دنیا کو بدل سکتی ہے۔ پینی جیسا مصنوعی ذہانت سے لیس سافٹ ویئر دوسروں کے لیے باعثِ ترغیب بن چکا تھا۔

"مشکل گھڑی میں مجھے احساس ہوا کہ جیسے انسان اپنے ارد گرد کی دنیا کو دیکھتا پرکھتا ہے، ہمارا زاویہ بھی اس سے مختلف نہیں۔"

اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھتے ہوئے پینی پُر سوچ انداز میں بولی تو ٹوبو نے جواب دیا:

"ہاں بالکل! ہمیں بنانے والا انسان ہے تو ہم پر اس کی چھاپ لازمی بات ہے۔ تبھی تو ہم سیکھنے سمجھنے، آگے بڑھ کر مسائل حل کرنے اور غلط صحیح میں فرق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" ٹوبو کی آنکھوں میں چمک اور آواز میں جوش نمایاں تھا۔

"اور سب سے اہم یہ کہ انسان اور ہم! یعنی مصنوعی ذہانت مل کر ایک ناقابلِ شکست ٹیم بنا سکتے ہیں۔"

پینی ہنستے ہوئے بولی تو ٹوبو بھی مسکرانے لگا تھا۔

پرانا بستہ

خدیجہ نعیم

”بابا! مجھے نیا اسکول بیگ لے کر دے دیں، پرانا بیگ اب پھٹنے لگا ہے۔“ اسما نے اپنے ابو کو دیکھتے ہی جھٹ سے فرمائش کر دی۔

”جی گڑیا! اس بار تنخواہ آتے ہی آپ کی یہ فرمائش پوری کروں گا ان شاءاللہ!“ ابو نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اسما بہت خوش تھی، گرمیوں کی چھٹیوں میں بابا نے اس کی ضد پر اس کو جھیل کی سیر کرائی تھی اور چڑیا گھر بھی لے گئے تھے۔

بابا کیا کام کرتے تھے؟ اسما نہیں جانتی تھی، وہ تو بس نئی نئی فرمائشیں کرتی رہتی تھی۔ اس کو یہ معلوم تھا کہ بابا کسی ہوٹل میں کام کرتے ہیں، شاید مینیجر ہوں گے، تبھی تو اس کی زیادہ تر فرمائشیں پوری کر دیتے تھے۔ اس نے ایک بار بابا کو فون پر بات کرتے سنا تھا کہ اب ایک نیا ہوٹل کھل گیا تھا، وہاں پر کام ملنے کے بہت زیادہ مواقع تھے۔

اس کی امی کو بابا نے ہفتے بعد ہی پیسے لا کر دیے اور کہا: ”اسما بیٹی کو بازار سے بیگ لا دیں، اس کی میں کوئی فرمائش رد نہیں کر سکتا، سوچتا ہوں کل کو جس گھر جائے گی نجانے کیسی قسمت پائے گی۔“

امی اور اسما بازار گئے تو برابر میں ایک ہوٹل پر (جو ابھی نیا ہی کھلا تھا) بہت رش تھا، وہاں کچھ مسخرے بھی کھڑے تھے۔ اسما ان کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی، کچھ بچے بھی جوکروں کے کرتب دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے اور ان کو پیسے بھی دے رہے تھے۔

اسما نے امی سے وہاں چلنے پر اصرار کیا۔۔۔ لیکن وہ نہ مانیں۔ ”ارے بھئی! بس بیگ لیتے ہیں اور چلتے ہیں۔“

وہ سوچنے لگی کہ امی کو اتنی جلدی کیوں ہے۔۔۔؟ اسما نے سوچا گرمی کی وجہ سے امی کہہ رہی ہیں۔ وہ سوچنے لگی ان جوکروں کو تو دیکھو ملتان کی گرمی میں اتنے موٹے کپڑے اور ماسک پہن کر کھڑے ہیں، بڑی ہمت ہے بھئی ان کی! اتنے میں ایک مسخرے نے ماسک تھوڑا سا کھسکا کر اپنا پسینہ صاف کیا، یہ کیا۔۔۔! اسما تو وہیں جم گئی۔ اپنے بابا کا پسینے سے شرابور چہرہ دیکھ کر خود پانی پانی ہو گئی۔ شکر ہے بابا نے اس کو نہیں دیکھا تھا، ورنہ اپنی بیٹی کے سامنے خواہ مخواہ ہی شرمندہ ہوتے۔ اسما نے امی کو بولا: ”میری طبیعت ٹھیک نہیں، اب ہم گھر چلتے ہیں۔“ زبردستی اپنی امی کو رکشے پر بٹھایا اور گھر آ گئی۔

”اسماء بیٹی 44 بیگ کیسا لائی؟“ شام بابا نے آ کر پوچھا۔

”بابا! میری طبیعت بازار میں خراب ہو گئی تھی، ویسے پرانا بستہ ابھی اس قابل ہے کہ میں استعمال کر لوں۔“ اسماء بولی۔ بابا اس کی بات سن کے سوچ میں پڑ گئے کہ آج اسما اتنی سنجیدہ کیسے ہو گئی ہے۔ بابا شاید جانتے نہ تھے کہ بیٹیاں باپ کی پریشانی دیکھ کر جلد بڑی اور سمجھ دار ہو جاتی ہیں۔

آنے لگی ہے سردی

یاسر فاروق

پیٹی سے نکلیں کمبل، دُھسے، لوئی، رضائی
امی نے چھت پہ ڈالے کچھ دھوپ ہے لگائی
اسٹور کھول کے تم انگیٹھیاں نکالو
چھوٹا سا کپڑا لے کے ہیٹر کو جھاڑ ڈالو
کر لو تیاریاں تم، آنے لگی ہے سردی

ہائے وہ میٹھا میٹھا گاجر کا لال حلوہ
کینو کا، سنگترے کا دیکھیں گے روز جلوہ
کشمش بھی اور کاجو، بادام اور پستہ
اخروٹ، مونگ پھلی بھی آئے مزہ تو کیسا
کر لو تیاریاں تم، آنے لگی ہے سردی

مفلر، سویٹروں کی جاگی ہے کیسی قسمت
جیکٹ بھی مسکرائے، ٹوپی کی نکھری صورت
جائیں گے جب بھی باہر ٹوپی سے ڈھانپ سر کو
پہنیں گے کوٹ، جیکٹ نکلیں گے ہم جدھر کو
کر لو تیاریاں تم، آنے لگی ہے سردی

اُپلوں کی آگ میں ہم رکھیں پیاز، آلو
جلدی میں ان کو کھائیں جل جائے اپنا تالو
”آنڈے گرم لو آنڈے“ آواز آ گئی ہے
”خستہ ہے اور کراری یہ ریوڑی نئی ہے“
کر لو تیاریاں تم، آنے لگی ہے سردی

گردن کی پشت پہ اک ٹھنڈا یہ ہاتھ کس کا؟
پاؤں یہ برف جیسا کر لو پرے! ہے جس کا
کمرے سے جب بھی نکلیں، دروازہ کھول جائیں
پیچھے سے جھٹ سے فوراً دادی کی ڈانٹ کھائیں
کر لو تیاریاں تم، آنے لگی ہے سردی

دوست ہو تو زوزو جیسا، مگر یہ زوزو کون تھا؟ جانیے اس دل چسپ کہانی میں

زوزو

حمیرا علیم

ایک دن عروہ اور اس کی چھوٹی بہن ہالہ اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ باہر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور زور و شور سے بارش برس رہی تھی۔ دونوں بور ہو رہے تھے، کیوں کہ بارش کی وجہ سے باہر کھیلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

"بھائی! یہ بارش کب رُکے گی؟ ہم کب کھیلیں گے؟" ہالہ مایوسی سے بولی۔

"پتا نہیں ہالہ! لیکن کچھ کرنا تو ہوگا، ورنہ دن بہت لمبا لگے گا۔" عروہ سوچتے ہوئے بولی۔

عروہ کو اچانک یاد آیا کہ ان کے والد کل ہی گھر میں ایک نیا روبوٹ لائے تھے، جو مشینی ذہانت پر مبنی تھا۔ روبوٹ کا نام "زوزو" تھا اور وہ نہ صرف باتیں کر سکتا تھا، بلکہ مختلف سرگرمیاں بھی کروا سکتا تھا۔

"ارے ہالہ! کیوں نہ ہم زوزو کو آن کریں؟ شاید وہ ہمیں کوئی نیا کھیل سکھا دے یا کوئی کہانی سنائے!" عروہ نے پُرجوش ہو کر کہا۔

"ہاں، یہ زبردست آئیڈیا ہے! میں نے سنا ہے کہ زوزو بہت کچھ جانتا ہے۔" ہالہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ گویا ہوئی۔

دونوں بھائی بہن فوراً اپنی والدہ کے پاس پہنچے: "امی جان! کیا ہم زوزو کے ساتھ کھیل سکتے ہیں؟"

امی جان جو کہ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھیں بولیں: "ہاں ہاں، بچو! تمہارے والد تم لوگوں کے کھیلنے کے لیے ہی تو روبوٹ لائے ہیں۔"

دونوں زوزو کے پاس گئے۔ زوزو ایک جدید روبوٹ تھا، جس کا قد کسی گڑیا کے برابر اور شکل بھی ایک بچے جیسی اور خوب صورت تھی۔ علی نے زوزو کو آن کیا اور زوزو کی آنکھوں میں نیلی روشنی چمکنے لگی، جیسے وہ زندہ ہو گیا ہو۔

"سلام دوستو! میں زوزو ہوں، آپ کا نیا دوست۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" زوزو خوش گوار آواز میں بولا۔

"زوزو! ہم بور ہو رہے ہیں اور بارش کی وجہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ کیا تم ہمارے ساتھ کچھ کھیل سکتے ہو یا ہمیں کوئی دل چسپ سرگرمی کروا سکتے ہو؟" عروہ نے استفسار کیا۔

"یقیناً! میں آپ کے ساتھ ایک دل چسپ کھیل، کھیل سکتا ہوں، جس کا نام ہے 'معمے کا جادو' یہ کھیل آپ کی ذہنی صلاحیتوں کو چمکا دے گا۔" زوزو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"معمے کا جادو؟ یہ کیسے کھیلا جاتا ہے؟" ہالہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"بہت آسان ہے! میں آپ کو کچھ سوالات، یعنی معمے دوں گا اور آپ کو ان کے جواب تلاش کرنے ہوں گے، جو بھی صحیح جواب دے گا، اسے ایک جادوئی پوائنٹ ملے گا۔ جیتنے والا آج کا چیمپیئن ہوگا! تو تیار ہیں آپ؟" زوزو نے کہا۔

بالکل تیار ہیں! عروہ اور ہالہ بیک وقت بولے۔

"بتایئے! وہ کون سی چیز ہے جو ہمیشہ چلتی رہتی ہے، لیکن کبھی کہیں نہیں جاتی؟" زوزو پہلا معما دیتے ہوئے بولا۔

یہ تو گاڑی ہو سکتی ہے۔ ع[illegible]ری سے بولی۔

ہالہ (ذہنی الجھن میں): نہیں بھائی، گاڑی تو رُک بھی جاتی ہے۔ میں سوچتی ہوں۔۔۔ شاید یہ 'وقت' ہو سکتا ہے؟

زوزو (خوشی سے): بالکل صحیح! ہالہ نے صحیح جواب دیا، وقت ہمیشہ چلتا رہتا ہے، چاہے ہم اسے دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ ہالہ تمہیں ایک جادوئی پوائنٹ مل گیا!

عروہ (حیران ہو کر): واہ ہالہ! تم نے واقعی کمال کر دیا۔

ہالہ (فخر سے): اب تو میں چیمپیئن بنوں گی! زوزو اگلا معما دو۔

زوزو (دوسرا معما دیتے ہوئے): ایک درخت پر چار پرندے بیٹھے ہیں۔ اگر دو پرندے اُڑ جائیں تو کتنے پرندے بچیں گے؟

عروہ (جلدی سے جواب دیتے ہوئے): یہ تو آسان ہے! دو پرندے بچیں گے۔

ہالہ (مسکراتے ہوئے): نہیں بھائی! شاید تم نے غور نہیں کیا، جو پرندے اُڑتے ہیں، وہ واپس بھی آ سکتے ہیں تو اصل میں چار ہی پرندے بچیں گے، کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی ہمیشہ کے لیے نہیں اُڑتا۔

زوزو (ہنستے ہوئے): ہالہ پھر سے جیت گئی ہے! واقعی، چار ہی پرندے بچیں گے، کیوں کہ کوئی بھی پرندہ اپنے گھونسلے کو ہمیشہ کے لیے نہیں چھوڑتا۔

عروہ (حیرت سے): یہ معما تو بڑا عجیب تھا!

زوزو (مسکراتے ہوئے): معما ہمیشہ ہمیں مختلف زاویوں سے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ مشینی ذہانت ہو یا انسانی، سب سے بڑا راز یہی ہے کہ ہم کس طرح مسئلے کو دیکھتے ہیں۔

ہالہ: زوزو! تم واقعی بہت دل چسپ ہو۔ کیا تم ہمیں کوئی اور معما بھی دے سکتے ہو؟

زوزو: کیوں نہیں! میری چار انگلیاں اور ایک انگوٹھا ہے، مگر میں ہاتھ ہوں نہ ہی پاؤں۔ بتاؤ یہ کیا ہے؟

عروہ اور ہالہ دونوں سوچنے لگے۔ عروہ کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا، جبکہ ہالہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ چھا گئی۔

ہالہ (فخر سے): یہ تو آسان ہے! جواب ہے دستانہ۔

زوزو: بالکل صحیح! تم نے پھر سے صحیح جواب دیا ہالہ! یہ ایک اور جادوئی پوائنٹ ہے تمہارے لیے۔

عروہ (ہنستے ہوئے): ہالہ! تم واقعی بہت ہوشیار ہو۔

زوزو: یاد رکھو! علم اور ذہانت ہمیشہ سوالات پوچھنے اور جواب تلاش کرنے سے بڑھتے ہیں۔ چاہے انسان ہو یا روبوٹ دونوں کا مقصد سیکھنا اور سکھانا ہے۔

دونوں بھائی بہن خوش ہو گئے اور زوزو کے ساتھ مزید کھیلنے لگے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ زوزو نہ صرف ان کا دوست ہے، بلکہ ان کا استاد بھی ہے۔ وہ دن بھر زوزو کے ساتھ کھیلتے اور سیکھتے رہے اور شام ہوتے ہوتے نہ صرف ان کی بوریت دور ہو چکی تھی، بلکہ وہ بہت کچھ سیکھ بھی چکے تھے۔

شام میں ان کے والد آئے تو عروہ نے پُرجوش لہجے میں انھیں دن بھر کی کارکردگی سے آگاہ کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے: "مشینی ذہانت صرف ایک ٹیکنالوجی نہیں، بلکہ ایک ایسا ذریعہ ہے جو ہماری زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔ سیکھنے کا عمل کبھی ختم نہیں ہوتا اور ہر سوال کا جواب مختلف زاویوں سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ذہانت کا مطلب ہے مسلسل سیکھنا اور نئی چیزیں دریافت کرنا۔ مجھے خوشی ہے کہ زوزو نے تمہیں بامقصد سرگرمی کے ذریعے مصروف بھی رکھا اور تمہیں کچھ نیا بھی سکھایا۔"

بچوں کے فن پارے

جویریہ فاطمہ ،11 سال کراچی

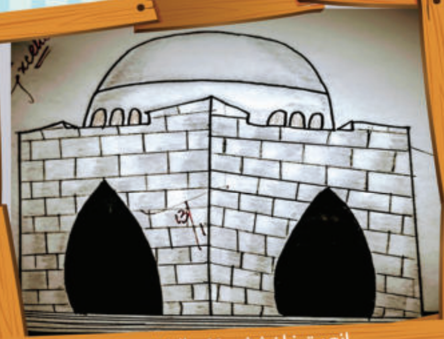

انعمت خان ششم 11 سال کراچی

عنایا 7سال ،کراچی

حفصہ حبیب الرحمن 6سال کراچی

حنان طیبہ،اول، 8سال ،لاہور

عدن فاطمہ ،12 سال ، چونیاں

منسا احمد 11 سال لاہور

محمد حارث اسلام آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ لاہور سے **منساء احمد** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

چھوٹی سی بات!

پیارے بچو!!

ہمارے پیارے قائد، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ پاکستانی بچے تعلیم کو اپنی اولین ترجیح بنائیں، کیوں کہ یہی ترقی کا راستہ ہے۔ وہ بچوں کو نصیحت کرتے کہ پیارے بچو! دیانت داری اور محنت سے کام کریں اور اپنے ملک کی خدمت کا جذبہ پیدا کریں، کیوں کہ آپ ہی پاکستان کا مستقبل ہیں۔ وہ بچوں کو خود اعتمادی کا درس بھی دیتے اور فرماتے کہ اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھیں اور مستقل مزاجی سے آگے بڑھیں۔ ان کا مشہور قول اتحاد، تنظیم، اور ایمان ہمیں بتاتا ہے کہ ان اصولوں پر چل کر ہم ایک مضبوط قوم بن سکتے ہیں۔

تو آپ سب بھی اپنے پیارے قائد کے فرمان پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں نا؟

ماہنامہ فہم دین دسمبر 2024ء کے سوالات

سوال 1: کس عظیم شاعر کو شاعر مشرق کہا جاتا ہے؟

سوال 2: کامیابی کی چابی کیا ہے؟

سوال 3: چنکو بلبل کو کس کا انتظار تھا؟

سوال 4: نانی کا گھر کون سے علاقے میں تھا؟

سوال 5: خوفناک سفر میں کیا اصلی تھا اور کیا نقلی؟

نومبر 2024ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر قصور سے عائزہ راشد کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

نومبر 2024ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: پینسل

جواب 2: عیار مگرمچھ سے

جواب 3: منجنیق

جواب 4: پرندہ

جواب 5: خوشبودار پھول

بلاعنوان کا عنوان

نومبر 2024ء کے ماہنامہ فہم دین میں دانیال حسن چغتائی کی کہانی بلاعنوان شائع ہوئی تھی، اس کہانی کو عنوان دینے کی مہم میں تیس قارئین نے حصہ لیا۔ بہترین عنوان راولپنڈی کے عبدالہادی کا قرار پایا، ان کا عنوان تھا: زمین پہ پہلا قتل

سنیے!!!!

دسمبر کے سوالات نومبر کے شمارے سے لیے گئے ہیں۔ جوابات کی آخری تاریخ 15 دسمبر 2024ء ہے

چمکتے ستارے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

حافظہ سویرا چودھری

وہ رشد و ہدایت کے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

وہ ہجرت کے ساتھی وہ آقا کے دلبر — وہ پہلے خلیفہ وہ صدیق اکبر
کہ گھر بار کر کے خدا کے حوالے — نبی جی پہ سب کچھ لٹا دینے والے
وہ صدق و صفا کے تھے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

ہاں دورِ عمر بھی تھا کتنا سنہرا — کہ فاروق دیتے تھے راتوں کو پہرا
مرادِ نبی وہ دعاؤں کا ثمرہ — ہمیشہ ہی رہتے تھے آقا کے ہمراہ
وہ عدل و جلالت کے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

نبی جی کے قاصد خلیفہ تھے ثالث — لقب کے غنی تھے سخاوت کے باعث
کلامِ خدا کے تحفظ میں حصہ — ہے دل سوزان کی شہادت کا قصہ
وہ شرم و حیا کے تھے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

کہ خیبر کے فاتح وہ شیرِ جلی تھے — ہاں جرّار کرّار حضرت علی تھے
وہ فہم و فراست کے ایسے سَمندر — تھے نایاب گوہر چھپے جس کے اندر
وہ علم و عمل کے تھے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

تھے کتنے مبارک وہ دل اور سینے — ہوئے دور جن سے تھے صدیوں کے کینے
رضائے الٰہی میں سر کو جھکا کر — گلے سے لگایا عداوت مٹا کر
اخوت محبت کے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

نہ ہرگز برا تم صحابہ کو کہنا — پڑے گا عذاب جہنم ہی سہنا
ہے لازم صحابہ کی حرمت کو جانو — وہ افضل ہیں ارفع ہیں اعلیٰ ہیں مانو
تدبّر تفکّر کے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

کہاں ان کا رتبہ کہاں ان کی نسبت؟ — کریں ان کی مدحت، زہے ایسی قسمت!
عقیدت سویرا رہے یہ سلامت — شفاعت کا باعث ہو روزِ قیامت
سعادت سیادت کے روشن منارے
چمکتے ستارے، صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے

مسلمانو ذرا دیکھو!

شمائلہ شکیل

مسلمانو! ذرا دیکھو یہ کیسی آگ ہے روشن
لپٹ اس کی نہ چھوڑے گی بنالے گی ہمیں ایندھن

سبھی موسم حسیں تیرے، ذرا غزّہ کو بھی دیکھو!
گھٹا بَن کے دھواں برسا یہاں بارود کا ساون

کِھلے بِن ہی ہزاروں پھول مٹی میں ملے کیسے
بڑے ہوتے گئے لمحوں میں، جن کا کھو گیا بچپن

فلسطیں کے مسلماں سب جو اقصیٰ کے محافظ ہیں
اُخُوّت کا بڑا مضبوط ان سے ہے تیرا بندھن

نہیں مظلوم کے ہوتے، بنو ہمدرد خود کے تو
بجھا دو آگ اس گھر کی، کہ بچ جائے ترا آنگن

جواں، بوڑھے، حسین بچے ہوئے قربان مقدس پر
یہی تو فرض ہے سب پہ، نچھاور ہو وہاں تن من

چلو تم کو بتاتی ہوں یہاں اک اور خوبی ہے
شہادت کے جواہر کی یہ دھرتی ہے عجب معدن

زمیں تیری یہ گھر میرا، جدا دیں ہے مرے دیں سے
یہ جھگڑے چھوڑ دو لوگو، بنو مل کر صفِ آہن

کرو قوت جمع اپنی، پلاننگ بھی مثالی ہو
کڑک للکار میں ایسی، لرز جائے تیرا دشمن

مسلمانوں کے سینے میں اتارا جس نے خنجر ہے
رگِ جاں کاٹ دو ان کی، بنا دو تم یہیں مدفن

رکھو کردار پاکیزہ، بَلند اَخلاق اپنا ہو
عمر کے جانشیں بن کے امن سے سینچ دو گلشن

اگر خوابوں کی نگری میں مگن ایسے رہے تم سب
خدا کے سامنے جانا یہی لے کر تہی دامن

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

خداوندا تو اپنے ذکر کو وردِ زباں کر دے
پھر اس کے بعد عشقِ مصطفیٰؐ کا ترجماں کر دے

ہمیں بھی اُن میں شامل کر جنھیں تونے نوازا ہے
ہمارے دل کو بھی بیگانۂ سود و زیاں کر دے

سکونِ قلب کی دولت سے مالا مال کر مجھ کو
میری ہستی کو اپنی چاہتوں سے ضوفشاں کر دے

مجھے توفیق دے خیر العمل کی ہر نفس یارب!
میرے اعمال نامے کی سیاہی رائیگاں کر دے

تو ربُّ العالمیں ہے اور تری قدرت میں سب کچھ ہے
مدینے کے کسی گوشے میں مجھ کو بے نشاں کر دے

اختر لکھنوی

حق پسند

عبیداللہ بن حسن عنبری دوسری صدی ہجری کے اکابر علما میں سے ہیں۔ وہ بصرہ کے قاضی بھی رہے، ان کے شاگرد عبدالرّحمٰن بن مہدی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اس کا جواب درست نہیں دیا، شاگرد نے کہا: ”حضرت! شاید آپ سے غلطی ہو گئی، صحیح جواب یہ ہونا چاہیے۔“ بڑے علما اپنی غلطی کی اصلاح سے نہیں شرماتے اور وہ بڑے ہوتے بھی اسی لیے ہیں۔ بڑا ہونا یہ نہیں کہ غلطی معلوم ہونے کے بعد بھی اسی پر ڈٹا رہا جائے۔ یہ بڑائی نہیں، ہٹ دھرمی کہلاتی ہے۔ عبیداللہ نے اپنے شاگرد کے صحیح جواب سننے کے بعد بہت ہی کار آمد جملہ ارشاد فرمایا، فرمایا: ”آپ چھوٹے ہیں، لیکن بات آپ ہی کی درست ہے۔ میں بھی آپ ہی کے جواب کی طرف رجوع کرتا ہوں، اس لیے کہ باطل میں ”سر“ اور ”رئیس“ بننے سے مجھے حق میں دم اور ”تابع“ بننا زیادہ محبوب ہے۔

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابنِ الحسن عباسی، ص: 51)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

رونق اِدھر کی دیکھ چکے اب اُدھر چلو
باغِ جناں کا ہو نظارہ، اگر چلو

آنکھوں میں آئے نور، بصیرت کو ناز ہو
صدق و صفا کے ساتھ ذرا ہم سفر چلو

رُکتا کہاں ہے کوئی مدینے کی راہ میں
جیسے فلک پہ چلتے ہیں شمس و قمر چلو

روتا ہے دل تو روئے کہ روئے خُوب خُوب
آقاؐ کے در پہ خُوب لٹانا گہر چلو

دار الشفا ہیں، درد کا درماں بھی ہیں وہیؐ
ملتے کہاں ہیں ایسے مسیحا نظر چلو

دریا و دشت و کوہ و بیاباں ہیں بے نمود
حائل نہیں ہے کچھ بھی چلو، بے خطر چلو

مانی جو چاہو شاہؐ کا جلوہ نصیب ہو
لے کر انہیں کا نام سرِ رہ گزر چلو

مانی فاروقی

بچے کے سامنے اس کی والدہ کی تعریف کریں

مناسب موقع پر وقت دیکھ کر بچے کے سامنے اس کی ماں کی تھوڑی تعریف بھی ضرور کریں اور بچے کے سامنے اس کی ماں کو اہمیت بھی دیں۔ کبھی ان کی بات بھی مانیں، تاکہ بچے کے دل میں بھی اپنی ماں کی محبت بیٹھے اور بیوی بھی آپ سے خوش ہو۔ کبھی بچے کی اصلاح مقصود ہو تو پہلے بیوی کو اعتماد میں لیں کہ فلاں وقت میں فلاں بیٹے کو ڈانٹوں گا، آپ اس وقت بالکل خاموش رہیے گا اور بے جا لاڈ پیار اس وقت نہ کیجیے گا، کیوں کہ میں بھی غصہ میں نہیں ہوں گا، بلکہ مصنوعی طور پر غصہ کروں گا اور ہاں! تم اس وقت نفل پڑھ کر یا ذکر کر کے دعا میں مشغول ہو جانا کہ ”اے اللہ! اس بچے کی اصلاح فرما دے، اس کو ماں باپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔“ اس طرح کبھی کھانا کھاتے ہوئے بچوں کے سامنے کہیں کہ ماشاء اللہ! آج تو تمہاری والدہ نے کتنا اچھا کھانا پکایا ہے۔ بیٹا! ان کے لیے دعا کرو۔ دیکھو! وہ کتنی مشقت اٹھا کر ہمارے لیے کھانا تیار کرتی ہیں۔ کبھی صفائی ستھرائی کی تعریف کریں اور کبھی وقت کی پابندی کی تعریف کریں وغیرہ۔ جب بچے ماں باپ میں جوڑ دیکھیں گے اور ایک دوسرے کی تعریف سنیں گے تو ان میں بھی جوڑ پیدا ہوگا، محبت بڑھے گی اور ماں باپ کی یکساں محبت پیدا ہو گی۔ ماں باپ کا عزّت و وقار ان کی نگاہوں میں بڑھے گا اور بڑے ہو کر وہ بھی تربیت کا یہی طریقہ سیکھیں گے۔

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابنِ الحسن عباسی، ص: 51)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ عمرہ کرکے واپس مدینے تشریف لے گئے تو میرے بھائی کا خط آیا، جس سے میں اسلام کی طرف راغب ہوا۔ اس سے پہلے مجھے ایک خواب نظر آیا کہ میں ایک تنگ ویرانے سے نکل کر سرسبز اور کشادہ شہروں کی طرف جاتا ہوں۔ میں نے اسلام قبول کرنے کے لیے مدینے جانے کی تیاری کی۔ راستے میں اتفاق سے مجھے عثمان بن طلحہ اور عمرو بن العاص بھی مل گئے اور ہم تینوں مدینے میں داخل ہوئے۔ اپنی سواریوں کو ایک جگہ بٹھایا، کسی نے ہمارے آنے کی اطلاع نبی ﷺ کو کر دی۔ جب آپ ﷺ کو ہماری آمد کی خبر ملی تو فرمایا: ”مکے نے اپنے جگر گوشوں کو ہماری طرف پھینک دیا ہے۔“ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ راستے میں میرا بھائی بھی ہمارے ساتھ مل گیا اور ہم جلدی سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ میں نے آپ ﷺ کو یوں سلام کیا: ”السّلام علیک یارسول اللہ!“ آپ ﷺ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قریب ہو جاؤ۔“ پھر فرمایا: ”تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لیے ہیں، جس نے تمھیں اسلام کی توفیق دی۔ میں جانتا تھا کہ تم ایک عقل مند آدمی ہو اور مجھے اُمید تھی کہ تمھاری عقل تمھیں خیر اور بھلائی کی راہ دکھائے گی۔“

(رسول اللہ ﷺ کی مسکراہٹیں، مفتی حبیب اللہ، ص: 48)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کرّم اللہ وجہُہ کیوں کہتے ہیں؟

آپ رضی اللہ عنہ کو کرّم اللہ وجہُہ کہنے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں: حضرت رضی اللہ عنہ کو کرّم اللہ وجہُہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کبھی اصنام (بتوں) کو سجدہ نہیں کیا۔ اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو اصنام کے سامنے جھکنے سے محفوظ رکھا۔ (اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کا چہرۂ مبارک مکرّم ہے)

دوسری وجہ یہ ہے کہ بنوامیّہ میں کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (بغض وعداوت کی وجہ سے) سوّد اللہ وجہہ (اللہ آپ کے چہرہ کو (معاذاللہ) سیاہ کرے) کے الفاظ سے پکارتے تھے۔ ان کے جواب میں اہلِ سنت والجماعت نے کرّم اللہ وجہُہ (اللہ آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ کو مکرّم ومشرّف بنائے) کہنا تجویز کیا تھا۔

(علی جواہرات، مولانا حافظ محمد اسلم، ص: 256)

معیار کیوں کر بہتر کیا جا سکتا ہے۔۔۔؟؟

اس بارے میں ہمیشہ سوچا کیجیے کہ کام کی کوالٹی کو کیسے بہتر کیا جاسکتا ہے۔ ہمیشہ بہتری کی گنجائش رکھیں۔ بہترین سوچ پیدا کیجیے۔ یہ دیکھیے کہ میری سوچ معیاری ہے کہ نہیں! اپنی سوچ کا کبھی کبھی محاسبہ کیا کیجیے۔ جب بھی کسی میں کوئی اچھی چیز دیکھیں اسے اپنانے کی کوشش کیجیے۔ اپنی زندگی میں کمٹمنٹ بڑھائیے۔ وہ تمام وعدے جو خود سے کیے ہیں، انھیں پورا کیجیے۔ وہ تمام وعدے جو اللہ تعالیٰ سے کیے ہیں، انھیں پورا کیجیے۔ کسی بھی کام کے کچھ اصول متعین ہوتے ہیں، لیکن ان میں کچھ اپنے اصول بھی شامل کیجیے، یہ وہ اصول ہیں جو آپ اپنے تجربے سے سیکھتے ہیں۔

(اپنی تلاش، قاسم علی شاہ، ص: 63)

درود شریف کی خوش بو

بہت سے اکابر کے واقعات ہیں کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے تو ان کے بدن سے خوش بو آتی تھی۔ حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمہ اللہ شبِ جمعہ کو سوتے نہیں تھے، بلکہ ساری رات درود شریف پڑھتے رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے کمرے سے خوش بو آتی تھی تو میں انکار نہیں کرتا کہ تم میں محبت نہیں! محبت ہے، لیکن دبی ہوئی ہے۔ میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لیے خواہشات کی راکھ میں سے اس محبت کو نکالو اور ذرا اس کو پھونک لگاؤ، ہوا دو، محبت کی یہ چنگاری بھڑک اٹھے گی۔ الغرض محبت کی سب سے بڑی علامت تو یہ ہے کہ اپنی خواہشوں پر محبوب کی رضا کو ترجیح دی جائے۔

(اصلاحی مواعظ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ج: 1، ص: 89)

سکون کا نسخہ

آج کون شخص ہے جو سکون کا متلاشی نہیں ہے، لیکن وہ اس کی دوائی اور گولی اپنی جیب میں لیے پھرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کو اس کا علم بھی نہیں ہے۔۔۔ اور وہ کیا ہے؟ وہ ہے شکر کی عادت! کہ ہر وقت اللہ پاک کی نعمتوں کو یاد کرکے شکر میں لگا رہنا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر طرح خوش وخرّم نظر آتے ہیں، حالاں کہ ان پر بھی ایسی ایسی تکالیف اور امتحان آتے ہیں، جن کا ہم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے اوپر ہزاروں نعمتوں کا ہجوم دیکھ کر خوش وخرّم ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی تکلیف آئی اس کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہزاروں نعمتیں بغیر استحقاق کے موجود ہیں، لیکن ہم ایک ہی تکلیف کو لیے پھرتے ہیں اور ہر ایک کے سامنے اسے گاتے پھرتے ہیں۔

(سکونِ قلب، مجموعہ افادات، ص: 57)

BAITUSSALAM
LYMPIAD'24
CELEBRATING THE SPIRIT OF UNITY

BAITUSSALAM

بیت السّلام اولمپیاڈ 2024ء

روداد: احمد سلطان

آٹھویں بیت السّلام اولمپیاڈ مقابلے جمعرات 7 نومبر سے ہفتہ 16 نومبر تک جاری رہے۔ افتتاحی تقریب 7 نومبر کو کراچی کے علاقے کورنگی کراسنگ میں واقع انٹیلکٹ اسکول کے آڈیٹوریم ہال میں ہوئی۔ تقریب کا آغاز نو بجے ہوا، تلاوت اور نعت کے بعد قومی ترانہ پڑھا گیا۔ ترانے کے بعد بیت السّلام میڈیا کو آرڈی نیٹر حذیفہ رفیق نے بیت السّلام اولمپیاڈ کے اغراض و مقاصد اور مرکزی خیال پیش کیا۔ افتتاحی تقریب کے مہمانِ خصوصی سندھ ہائی ایجوکیشن کمیشن کے چیئر مین ڈاکٹر طارق رفیع نے اپنے خطاب میں بیت السّلام اولمپیاڈ انتظامیہ کو خراجِ تحسین پیش کیا اور شاباش دی۔ اس کے بعد بیت السّلام اولمپیاڈ ٹرافی کی رونمائی کی گئی، تقریب میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مہمانانِ گرامی نے شرکت کی۔ یاد رہے بیت السّلام اولمپیاڈ 2017ء سے تاحال ہر سال ہونے والا ایونٹ ہے، جس میں دینی مدارس اور دوسرے متعدّد نظام ہائے تعلیم سے وابستہ اسکول و کالج کے طلبہ قوم، قبیلے، زبان، رنگ، نسل اور مسلک سے بالاتر ہو کر اکیڈمک اور اسپورٹس مقابلوں میں حصہ لیتے ہیں، طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے شاندار اختتامی تقریب میں مہمانانِ گرامی طلبہ میں ٹرافیاں، شیلڈ اور دیگر انعامات تقسیم کرتے ہیں۔ سال 2024ء کی اختتامی تقریب اسپورٹس کلب معین خان اکیڈمی ڈی ایچ اے فیز 8 میں منگل 19 نومبر کو منعقد ہوئی۔ سندھ کے گورنر کامران ٹیسوری مہمانِ خصوصی تھے، دیگر مہمانوں میں وفاقی وزیرِ تجارت جام کمال، وفاقی شرعی عدالت کے جج سید محمد انور، سندھ کے وزیر بلدیات مرتضیٰ وہاب، عالمی شہرت یافتہ کرکٹر شاہد خان آفریدی تھے، جنہوں نے اولمپیاڈ 2024ء میں پہلی اور دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ اور ٹیموں میں ٹرافی، شیلڈز اور دیگر انعامات تقسیم کیے۔ مہمان مقررین نے بیت السّلام کی خدمات کو سراہا اور دعاؤں سے نوازا۔

تقریب کے آخر میں سربراہِ بیت السّلام ویلفئیر ٹرسٹ حضرت مولانا عبد السّتّار حَفِظَہُ اللہ نے خطاب کرتے ہوئے تمام مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "دو چیزیں ہماری شناخت ہیں، اسلام اور پاکستان! ہمیں اپنی اسلامی شناخت پر بھی فخر ہونا چاہیے اور پاکستانی ہونے پر بھی فخر ہونا چاہیے۔ ہماری تمام مشکلات ختم ہو سکتی ہیں، اگر ہم وہ دستور اختیار کریں جو اسلام نے ہمیں دیا ہے، جو قومیں احساس کمتری کا شکار ہوتی ہیں، وہ ہار جاتی ہیں۔ ہم اپنی نئی نسل میں اسلام کا کردار دیکھنا چاہتے ہیں، جدید دنیا کی صلاحیت اور کمال بھی دیکھنا چاہتے ہیں، ہمیں تربیت کے لیے ایسا نظام ملا ہے جس کے پیچھے وحی ہے اور سچے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائرکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ
BAITUSSALAM

J.
FRAGRANCES
چلتا رہے یہ کارواں
JUNAID JAMSHED
1964 - FOREVER
JUNAID JAMSHED
1964 - FOREVER
LEGACY
LEGACY
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
j.fragrances.cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed